HOW GOD INSPIRED THE BIBLE

by

Rev. Dr. Patterson Smyth, D.D.

بائبل کا الہام

جس میں بائبل کے الہام کی حقیقت ۔ ماہیت اور حیثیت
پر مفصّل ۔ مدلّل اور نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے

مُصنّفہ

ڈاکٹر جے ۔ پیٹرسن سمائتھ صاحب ۔ ڈی ۔ ڈی

پنجاب رلیجس بُک سوسائٹی

انار کلی ۔ لاہور

HOW GOD INSPIRED THE BIBLE

بائبل کا الہام

جس میں بائبل کے الہام کی حقیقت۔ ماہیت اور حیثیت پر مفصل،
مدلل اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ تاکہ تمام طرح کی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں۔

مصنفہ

ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ صاحب

ناشران

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور

۱۹۵۲ء

بار دوم — تعداد ۱۰۰۰

تعداد ———————— ۱۰۰۰

پی - آر - بی - ایس پریس لاہور میں

باہتمام

پادری - آر - گرین (پرنٹر پبلشر)

سیکرٹری

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور

میں

چھپ کر شائع ہوئی

فہرست مضامین

پہلا حصّہ

موجودہ بے چینی اور اس کا علاج

فہرست مضامین

پہلا حصّہ

موجودہ بے چینی اور اس کا علاج

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

دوسرا حصّہ

خُدا نے بائیبل کو کس طرح اِلہام کیا؟

تیسرا باب (انسانی اور الٰہی) ۱۱۴

چوتھا باب (کیا بائبل سہو و خطا سے مبرّا ہے؟)

پانچواں باب (خدا کی تعلیم کی تدریج ترقی)

چھٹا باب (الہام اور تنقید اعلیٰ) ۱۸۳

ساتواں باب- (خاتمہ) ۲۱۲

پہلا حصّہ

موجودہ بے چینی اور اُس کا علاج

باب اوّل

بے چینی

آج کل کا حل طلب عقدہ

جس مسئلے پر ہم بحث کرنے بیٹھے ہیں اسے اگر عقدہ کہیں تو بجا ہے۔ نہ صرف مذہبی اخباروں اور رسالوں میں بلکہ ان میں بھی جن کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نہ صرف دیندار اور مذہبی لوگوں بلکہ لامذہب اور غیر مذہب اور ہر قسم کے اشخاص کے درمیان اس مسئلے پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس عقدے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہر ملک میں بے شمار لوگ یہ سوال کر رہے ہیں۔ گو ان میں سے اکثر زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ بائیبل کے دعوے کیا ہیں؟ اس کا الہام کیا ہے؟ اس کا منبع کہاں تک انسان میں ہے؟ کہاں تک خدا میں؟ وہ کس حد تک سہو وخطا سے مبرا ہے۔ کیا وہ فقط "زمانہ قدیم کے پاک لوگوں" کا کلام ہے؟ یا کیا وہ لفظ بلفظ "خدا کا کلام" ہے؟

اس سے پہلے شائد ہی کبھی ان سوالات کے متعلق سوچنے والے اور اہل الرائے اشخاص کے درمیان اس قدر تحقیقات، بلکہ ایک صورت سے کہہ سکتے ہیں، اس قدر بے چینی پیدا ہوئی ہوگی، جو جواب گذشتہ زمانہ میں دئے جاتے تھے۔ ان سے لوگوں کی تشفی نہیں ہوتی۔ اور اس وقت اگر کوئی یہ بھی کہہ بیٹھے، کہ اس قسم کے سوالات پر عام طور پر بحث کرنا خلاف عقل اور پُرخطر بات ہے۔ تو وہ احمق سمجھا جائے گا۔ اگر اس قسم کے سوالوں سے بے اعتنائی کرنا درست بھی

ہونا تو بھی اب انہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ یہ سوال اب فقط نقطہ چینیوں یا عالمانِ علمِ آلٰہی کا حصہ نہیں رہے۔ اور نہ ایسی کتابوں میں پائے جاتے ہیں جن کا سمجھنا یا دستیاب ہونا مشکل ہو ہمارے کثیر الاشاعت رسالوں اور مذہبی اخباروں میں برابر اُن کا ذِکر پایا جاتا ہے۔ اور اہلِ علم عوام الناس کو نہ صرف یہ باتیں بتاتے ہیں۔ بلکہ عموماً جو کچھ خود علما کو ان امور میں واقفیت ہوتی ہے۔ عوام کو سب کا سب بتا دینے سے دریغ نہیں کرتے۔

جب کبھی لوگوں نے ان عقدوں کو جو بائیبل کے مطالعہ پیدا ہوتے ہیں۔ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو عموماً ہر زمانہ میں اس قسم کے سوالات لوگوں کے سامنے پیش ہوتے رہے ہیں مگر اکثر ان کے حل کرنے سے پہلو تہی کی جاتی تھی۔ اور ان کو یا تو عقدہ لاینحل سمجھ کر یا یہ کہہ کر کہ ان کو حل کرنے کی کوشش کرنا بے ادبی ہے۔ ٹال دیا جاتا تھا۔ لیکن اب اس قسم کے بہانوں کا موقع نہیں رہا۔ آج کل یہ سوالات اس قسم کی آزادی اور بے باکی سے کئے جاتے ہیں۔ کہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا کوئی نہ کوئی معقول جواب دینا چاہیئے۔ بائیبل کی تاریخ میں ایک ایسا اہم زمانہ آ پہنچا ہے۔ جس میں سے ہماری موجودہ نسل کو گذرنا ضرور ہے۔ اور اگرچہ یہ گذر جھگڑے اور دلسوزی سے پُر ہوگا۔ اور مذہب کی آئندہ حالت کی نسبت طرح طرح کے شک وشبہ اور خوف واندیشے پیدا ہوں گے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ آخری نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ بائیبل کو مسیحیوں کے دل میں پہلے کی نسبت زیادہ مضبوط اور دیرپا جگہ حاصل ہو جائے گی۔

ایسے نازک وقت خدا کی طرف سے سمجھنے چاہئیں۔ یہ اس طریق و انتظام کا حصہ ہیں۔ جو اس نے دنیا کی ترقی وبہبودی کے لئے ٹھہرا رکھا

ہے۔ جب کوئی کبھی سچائی انقضائے زمانہ سے غلطی مخلوط ہو جاتی ہے۔ تو اسی طور سے لوگوں کے اعتقادات کے ہلانے اور مضطرب کرنے سے اس بدی کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔ اور "اب پھر ایک بار" خدا ان عام تصورات کو جو لوگوں میں بائیبل کی نسبت مروّج ہیں ہلا رہا ہے۔ "اور یہ عبارت کہ پھر ایک بار اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ کہ ملی ہوئی چیزیں مخلوق ہونے کے باعث ٹل جائیں گی۔ تاکہ بے ہلی چیزیں قائم رہ سکیں"۔
(عبرانیوں ۱۲ : ۲۷)۔

ہمیں چاہیئے کہ اس سلسلے کو جو ہمارے اردگرد جاری ہے غور سے نگاہ رکھیں۔ اور ان تمام باتوں کو جن میں سے اکثر خدا کی اس منشاء کو جو بائیبل کی نسبت رکھتا ہے ہلا جانے پورا کر رہی ہیں جانچتے رہیں۔

۱

بے چین، سمجھدار، دیندار آدمی

ہم یہاں اس امر کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کے لکھنے میں ہمارا روئے کلام کن اصحاب کی طرف ہے ہم ان سوچ بچار کرنے والے دیندار آدمی کو مخاطب کرتے ہیں جن کے دل بائیبل کی طرف سے اس وجہ سے بے چین ہو رہے ہیں۔ کہ انہیں روایتی اعتقاد کو مجبوراً چھوڑنا پڑا ہے۔ اور ابھی تک کوئی دوسری معقول وجہ دستیاب نہیں ہوئی جس کی بنا پر ان کا اعتقاد قائم ہو۔ مگر ہمیں یہ یقین کرنا چاہیئے کہ ہر ایک سچے اور نیک شخص کے دل میں جب خدا اس قسم کی بے چینی اور بے اطمینانی پیدا کرتا ہے۔ تو اس سے اُس کا منشا یہ ہوتا ہے۔ کہ اس شخص کو ایک اعلیٰ سچائی کی طرف رہنمائی کرے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔

CamScanner

کہ مختلف قسم کے خیالات جن سے اُسے سابقہ پڑتا ہے۔ ایسے شخص کے ذہن اور عقل پر کس طرح اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ میں نہ تو بائیبل کو رد کرتا ہوں اور نہ اس کی طرف سے بے اعتقاد ہوں۔ ہرگز نہیں مگر اس کی طرف سے میرا دل بے چین ہو رہا ہے۔ میرا یقین ہل گیا ہے مجھے اس کتاب میں سے اس کے الہامی مصنفوں کے ایسے اقوال ملتے ہیں۔ جو اس مقیاس سے جو مسیح نے مقرر کیا ہے۔ پورے نہیں اُترتے۔ میں سنتا ہوں کہ اس کے تاریخی بیانات میں نقص پائے جاتے ہیں۔ بہت سے امور علوم کے مصدقہ نتائج سے مختلف ہیں، اس کے ابتدائی زمانہ کی اخلاقی تعلیم بالکل بے ڈھنگی اور ناکامل ہے۔ اور اس کتاب میں جسے میں یہ سمجھتا تھا کہ براہ راست خدا کی انگلیوں کی لکھی ہوئی ہے مختلف اوقات میں تالیف وترتیب واصلاح وترمیم واقع ہونے کے نشان پائے جاتے ہیں۔ میں اب بھی اس روحانی تسلی و اطمینان کے لئے جو اُس سے حاصل ہوتا ہے، اُسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ اگر بالفرض یہ الزامات سچ بھی ہوں تو بھی وہ کتاب دنیا میں ایک نہایت عجیب و غریب کتاب ہے۔ مگر تو بھی میرا دل مضمحل اور بے چین ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کس کس بات پر یقین کروں۔ اس کی نسبت اب میرا دل وہ کامل یقین باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے اس کے اوراق ایسے اعلےٰ تسلی و اطمینان سے پُر معلوم ہوا کرتے تھے ؞

۲

بے دین

"حال ہی میں میری مشکلات اور بھی سخت اور واضح ہو گئیں ہیں۔ میں بے دینوں کی کوششوں کو جس کا اثر ہر طرف پایا جاتا ہے۔ دیکھتا ہوں۔ میں ہر روز ایسے آدمیوں سے بھی ملتا ہوں جو بالکل بے دین اور ملحد ہیں اور ہر طرح کے مذہب کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے درمیان بھی ایسے اشخاص ہیں۔ جو سچے اور پُر ملال دل سے مگر بلا خوف خالص سچائی کی تلاش میں ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ اُن کی سب سے بڑی مذہبی مشکلات بائیبل کی وجہ سے ہیں۔ خواہ میں ان کی کتابوں کو پڑھوں یا اُن کے لیکچروں کو سنوں یا زبانی گفتگو کروں میں دیکھتا ہوں کہ اُن کے حملوں کا سب سے بڑا نشانہ بائیبل ہی ہے۔ وہ صرف طعنے اور طعنہ زنی نہیں کرتے۔ بلکہ مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اکثر اوقات نہایت مضبوط دلائل بھی اُن مشکلات کے خلاف پیش کی جاتی ہیں۔ جو بائیبل کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں بہت سی مشکلات تو ایسی ہیں جو خود میرے دل میں بھی خواہ مخواہ پیدا ہوا کرتی تھیں، اور میں یا تو اُن پر سے بے مطالعہ کئے گذر جاتا تھا۔ یا انہیں فراموش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے اُنہیں سلانے کی کوشش کی مگر اب وہ سونے سے انکار کرتی ہیں کیونکہ ان بائیبل کے حملہ آوروں نے اُنہیں بالکل بیدار کر دیا ہے اکثر لوگ ہنس ہنس کر کہتے ہیں کہ دیکھو یہ مسیحی بھی کیسے سریع الاعتقاد ہیں۔ کہ ایسی ایسی بےہودہ باتوں پر یقین کرتے ہیں۔ کہ خدا نے سارے عالم کی گردش کو ٹھہرا دیا ہے۔ تاکہ یوشع کنعانیوں پر اپنی فتح کی تکمیل کر سکے۔" وہ بڑے تمسخر کے ساتھ اس محبت بھری خدا کی کلام، کو نقل کرتے ہیں کہ اُسے بابل کی بیٹی مبارک وہ جو تیرے لڑکوں کو پکڑ کے پتھروں سے پٹک دے!"

"میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے جب میں بڑی فصاحت اور زور کے ساتھ اس قسم کے الفاظ عالم اہلِ حرفہ کی جماعتوں کے سامنے بیان ہوتے سنتا ہوں۔ جن کو بچپن میں میری ہی طرح ۔ بائیبل پر یقین

رکھنے کی تعلیم دی گئی تھی۔نہیں بلکہ خود وہ لیکچرار بھی بچپن میں ایسا ہی یقین رکھتا تھا،اور میرے خیال میں نہیں آتا کہ کم سے کم اُن کے پہلو سے کس طرح اس قسم کی مشکلات کا جواب دینا ممکن ہے۔

۳

بائیبل کا عالم

"لیکن ایک دوسرے پہلو سے بھی ایک اور اثر میرے اعتقادی امور پر پڑ رہا ہے۔میں دیکھتا ہوں کہ بہت سی باتیں جو بائیبل کے متعلق میرے کئی ایک خیالات کے اُلٹا دینے والی ہیں۔ایسے اشخاص کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔جو نہ تو بے اعتقاد ہیں نہ مذہب کے دشمن ہیں۔نہ اُس کی توہین روا رکھنے والے ہیں۔بلکہ وہ بڑے ادب و لحاظ سے سالہا سال تک اس کے متعلقہ امور کی تحقیقات میں مشغول رہے ہیں۔ان میں یونیورسٹیوں کے پروفیسر،کلیسیا کے بشپ اور اعلیٰ عہدے دار اور ایسے ایسے اصحاب شامل ہیں جن اعلیٰ علمیت اور دینداری اور خدا پرستی میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا۔اور یہ نہ صرف ایک جماعت سے بلکہ مختلف کلیسیاؤں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف سلسلہ خیالات کے پابند ہیں۔ان کی باتوں سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب بائیبل کی نسبت وہی خیالات نہیں رکھتے۔جیسے کہ اُنہیں بچپن میں تعلیم دی گئی تھی۔یا جیسا کہ عوام النّاس میں سے ہزاروں دیندار مرد و عورت آج کل بھی مانتے ہیں۔وہ یہ کہتے ہیں۔کہ اس میں سے بہت کچھ انسانی عنصر پایا جاتا ہے۔اگرچہ باقاعدہ غور کرنے سے الٰہی عنصر بھی کچھ کم نظر نہیں آتا۔اُن کا یہ خیال ہے۔کہ بائیبل بہت سی باتوں میں دیگر کتب کی مانند ہے،خاص کر عہد عتیق کے نوشتوں کے لحاظ سے

اور وہ اس بات کے بھی قائل ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ قدیم مصنفوں نے بعض علمی اور تواریخی باتوں کی نسبت بیانات کر دئے ہوں جو غیر صحیح اور بے ڈھنگے ہیں۔ وہ یہ بھی دکھلاتے ہیں۔ کہ عہد عتیق میں اخلاقی تعلیم ... بمقابلہ عہد جدید کے بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ ان کتابوں کی تالیف و ترتیب میں بہت کچھ آزادی برتی گئی ہے۔ یہ باتیں میرے مسلمہ تصورات کو جو بائیبل کی حیثیت کی نسبت رکھتا ہوں۔ بالکل تباہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ "ان سب امور کی موجودگی میں میرے لئے اُن خیالات کا پابند رہنا جو بچپن میں مجھے سکھلائے گئے تھے۔ بالکل ناممکن ہے۔ مگر ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ان خیالات کو ترک کرنا پاک نوشتوں کے الٰہی اختیار و مستند کو ترک کرنے کے لئے برابر ہے"۔

۴

کٹر و پندار

اب ہم اس شخص کے تجربہ کا اور زیادہ کھوج لگاتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ کہ اس بے چینی کی حالت میں اُسے اپنے مذہبی دوستوں سے کیا امداد ملتی ہے۔ عموماً اس کی یہ صورت پائی جاتی ہے۔ کہ ان لوگوں میں سے بعض نوسیدھے سادھے مسیحی ہیں۔ جو زیادہ ترخدا کی رفاقت میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور بائیبل کو اس روحانی تسلی اور قوت کا منبع سمجھتے ہیں۔ اور اس آزادانہ اور بے لحاظ نکتہ چینی کو سُن کر جو آجکل اس پر کی جاتی ہے۔ اُن کے دل کانپ کر سہٹ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دوست کی اس بے چینی کو شیطان کی آزمائش خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے تجربہ ... .. سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح ایک زمانہ میں اُن کے دل میں بھی گھس کر انہیں طرح طرح کے وسوسوں اور توہمات کا نشانہ

بنا نا رہا ہے۔ یہ اُس کے ایمان کی آزمائش ہے۔ اُسے چاہیئے کہ بڑی مضبوطی سے اپنے خیالات کو ان باتوں کی طرف سے ہٹائے رکھے اور اپنے گھٹنوں پر یعنی دعا کے ذریعے اس قسم کے شبہات سے جنگ کرے۔ اور اگرچہ وہ کسی طرح سے اس کی تسکین نہیں کر سکتے مگر اُن کے اس سادہ ایمان سے اس کو کسی قدر تسلّی ملتی اور کچھ کچھ اُمیّد پیدا ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ ان کے کلام میں منطق و دلیل تو نہیں۔ مگر تو بھی اس میں شک نہیں کہ بائبل نے ان زندگیوں پر قوی اثر کیا ہے۔ اور وہ ایک اعلیٰ مقام میں خدا کے ساتھ سکونت کرتے ہیں۔ جہاں اس کے ایسے شک و شبہات ان کو بے چین نہیں کر سکتے، اور اس طور سے ان کے ذریعہ سے اس کے اعتقاد کو ایک مخفی قوّت و امداد حاصل ہوتی ہے ؛

ان میں سے بہت سے اشخاص جن میں سے کئی ایک سے میں خود بھی واقف ہوں۔ غور و فکر کرنے والے، اہل الرائے اور خدا پرست آدمی ہیں۔ جو ان سوالات کو جو بائبل کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ پڑھتے اور اُن میں دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر اس سے ان کے دل میں کسی قسم کے شبہات یا بے چینی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے۔ کہ ان کا مزاج ہی ایسا مطمئن واقع ہوا ہے۔ کچھ یہ کہ انہیں پاک نوشتوں میں ایسی ایسی پاک اور خوبصورت باتیں ملی ہیں۔ کہ وہ مشکلات کی طرف توجّہ بھی نہیں کرتے۔ اور کچھ یہ کہ وہ بہت سے آدمیوں کی طرح منطق کے ایسے پابند نہیں اور نہ اپنے مقدّمات کے صحیح نتائج کی پروا کرتے ہیں۔ بلکہ سر سری طور پر کشف و الہام کے قدیمی خیال کو لئے رہتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی مشکل دامن گیر ہوتی ہے۔ تو بخندہ پیشانی ـــ سے کھسک جاتے ہیں۔ مگر ایسے اشخاص شک و شبہات کے گرفتار آدمی کو کچھ مدد نہیں دے سکتے ؛

پھر ایسے آدمی بھی ہیں۔ جنہیں اپنی ہر ایک بات کی بابت ایسا کامل یقین اور بھروسہ

ہے۔ کہ وہ کبھی اپنے فیصلوں کو معرض النزاع میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ اس کتاب کے ناظرین اکثر ایسے اشخاص سے واقف ہوں گے جنہوں نے حقیقی غور و فکر کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ جن کے دل میں نہ تو کبھی شبہات کو دخل ہے اور نہ تحقیقات کے شائق ہیں۔ جو مذہب کو ایک طرح سے اپنے ہی تصورات الہام کا پابند سمجھتے ہیں اور اس طرح سے صحیح یقین و اعتقاد کو جو بائیبل کے متعلق رکھنا چاہیئے۔ اس کو معرضِ خطر میں ڈالتے ہیں۔ الہام کا ایسا خیال جو الٰہی عظمت و آزادی اور جلال کے مطابق ہو۔ اُن کی عقل و فکر میں بھی سما نہیں سکتا۔ اُن کا تصورِ الہام کے بارہ میں اس قسم کی سخت پابندی کا خواہاں ہے جس سے تاریخ بائیبل کے ہر ایک واقع اور بیان کی صحت و درستی شرطی ہو۔ اس کے بیانات متعلقہ سائنس اُنیسویں صدی کی تحقیقاتوں اور دریافتوں کے ساتھ بالکل ٹکر کھائیں۔ اور اس کی اخلاقی تعلیم ہر ایک زمانہ میں کامل پائی جائے۔ ان کی رائے میں اس امر میں کسی قسم کا شبہ کرنا مذہب کی بنیادوں کو ہلا ڈالنا ہے۔ اسی قسم کے آدمی ہیں۔ جو سب سے بڑھ کر اس بے چینی کے باعث ہیں اور یہی لوگ بائیبل کو اغیار کے اعتراضوں اور حملوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ اپنے نامعقول اور من گھڑت خیالات کی سچائی کو ثابت کرنے میں خدا کے الہام بلکہ مسیحی دین کو بھی مشکلوں میں پھنسا دیتے ہیں۔ یہی لوگ ملحدوں کو مسیحی مذہب پر بڑی بڑی فتوحات حاصل کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ وہی خن جو اشخاص کو خدا کی منشاء کے خلاف غمگین اور پریشان کرتے ہیں۔ وہ اپنی روایتوں میں خدا کے کلام کو باطل کرتے ہیں۔ اور آدمیوں کے احکام کو بطور مسائل مذہبی کے سکھلاتے ہیں۔:

اس قسم کے اشخاص ہیں۔ جن سے ایک خن جو آدمی کو جو مذہبی دنیا میں سابقہ پڑتا ہے۔ وہ اپنی مشکلات کا اپنے خادم الدین سے بہت کم ذکر کرتا ہے۔ اور بہت کم اُسے ایسے اصحاب سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جو اس قسم کی مشکلات کا مقابلہ کر کے آخر

کارآرام واطمینان کی مضبوط چٹان پر پہنچ گئے ہیں۔

اس لئے یہ بے اطمینانی پھیلتی جاتی ہے۔ اگرچہ عام طور پر لوگ اس کا ذکر تذکرہ کرتے نہیں سنے جاتے۔ بعض تو بہت جلد اس کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جنہیں اس کے تیر ہمیشہ چبھتے اور ستاتے رہتے ہیں جن لوگوں نے اپنی ذات میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ وہی کچھ اس درد و تکلیف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو ایک حق جُو انسان کو پیشتر اس کے کہ حق کی روشنی میں پہنچ جائے برداشت کرنی پڑتی ہے راقم کو اپنی مشکلات خوب یاد ہیں۔ اور اب اور بھی بہت سے اشخاص کی مشکلات سے واقف ہو گیا ہے۔ یونیورسٹی کے ایک نوجوان طالب علم کے الفاظ جس کا ایمان بائیبل پر سے اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ اس وقت اُس کے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میرے جیسے سینکڑوں نوجوان ہیں۔ جو بائیبل کو اپنے ہاتھ سے دینا نہیں چاہتے۔ مگر ہم ہرگز اس کی نسبت اُسی قسم کا خیال نہیں رکھ سکتے جیسا کہ ہم کو بچپن میں سکھایا گیا تھا۔ اگر کوئی ایسا طریق ہے جس سے ہم اب بھی اُسے بیش قیمت خزانہ سمجھ کر اپنے قبضہ میں رکھ سکیں۔ تو کیا ہمارے معلم اُس سے واقف ہیں؟ اور اگر وہ واقف ہیں تو ہمیں بتاتے کیوں نہیں؟"

۵

اس بے چینی کے ہمارے زمانہ میں پھیلنے کی کیا وجہ ہے۔

مگر یہ سب شک و شبہ کا طومار ہماری گردن پر کیوں لاد اگیا ہے؟ کچھ تو یہ وجہ ہے کہ آج کل عقلی بحث و مباحثہ کی بہت بھرمار ہو رہی ہے۔ مگر بڑی وجہ یہ ہے کہ کسی گذشتہ زمانہ کی نسبت ہمارے زمانہ میں بہت ہی بڑھ کر حق تعالیٰ بنی انسان کو اپنی سچائی کے نئے نئے الہام اور مکاشفے عطا کر رہا ہے۔ تاریخ اور علوم طبعی۔ متقابلہ مذاہب۔ اور خود بائیبل کی نکتہ چینی اور عمیق مطالعہ میں عجیب عجیب باتیں دریافت ہو رہی ہیں۔ اس قسم کے مکاشفے

اگرچہ پاک نوشتوں کے صحیح تصور سے مختلف نہیں ہیں۔ تو بھی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ بعض بناوٹی تصورات کے جو لوگ اُن کی نسبت رکھنے کے عادی ہو گئے ہیں ضرور مخالف ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ گذشتہ چند صدیوں میں لوگ بائیبل کو خواہ مخواہ وہ رتبہ دینے کے عادی ہو گئے ہیں۔ جو اُس کی سند و اختیار کے لئے خوفناک ہے۔ اور جس کی خود اُس کے اپنے بیانات سے کچھ تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ برخلاف اِس کے اُس کا حقیقی زور اور خوبصورتی تاریکی میں پڑ جاتی ہے۔ زمانہ حال کی تحقیقات کی تیز روشنی میں یہ امر دن بدن زیادہ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ کہ اِس قسم کے خیال ثابت نہیں رہ سکتے۔ اس سے سیدھے سادے آدمی بے چین ہو گئے ہیں۔ کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خود بائیبل معرض خوف و خطر میں ہے حالاں کہ جو لوگ ان معاملات کو سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی اُمید کے ساتھ اگرچہ اُس میں فکرمندی بھی ملی ہوئی ہے۔ زمانہ آئندہ پر نظر کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جن غلط خیالوں نے لوگوں کے دل میں جڑ پکڑ لی ہے تکلیف و نقصان کے سوا اُن کا اُکھڑنا مشکل ہے مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر بائیبل کو آزاد ہو کر دنیا میں اپنے کام کو سر انجام کرنا ہے۔ تو یہ ضرور ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے اُن غلط تصورات سے آزاد کر دیا جائے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ رہائی کسی حد تک اس لیکچر کے ذریعہ سے انجام کو پہنچے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض دل پسند اعتقادات کی بیخ کنی بہتر تعلیم کے لئے ضروری تیاری کا کام دے۔ ہو سکتا ہے کہ علما اور ملحدین اور مونبین بائیبل کے حق میں خدا کی اصلی منشاء کو پورا کر رہے ہوں۔ تاکہ اُس کی سچائی کی نسبت ہمارے تصورات زیادہ وسیع اور صاف ہو جائیں۔

باب دوم

یقین کی بحالی

۱

کیا بائیبل ان خطرات سے محفوظ ہے؟

میرے نزدیک ان شکوک اور بے چینیوں کا عمدہ علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ آدمی دلیری سے ان مشکلات کا جو اُسے بے چین کئے دیتی ہیں مقابلہ کرے۔ اُسے اپنے دل میں یہ ٹھان لینا چاہیئے کہ اس کی تحقیقات اور تفتیش کا مدعا فقط سچائی کو حاصل کرنا ہے۔ اور وہ کبھی ان شرائط پر صلح منظور نہیں کرے گا جن کا دار ایسی بنیادوں پر ہو جنہیں وہ پرکھتے ہوئے خوف کھائے کہ کہیں بودی نہ نکلیں[1]۔

لیکن ہم سب ایسے دلیر اور جری پہلوان نہیں ہیں۔ اور اگرچہ خدا کے انتظام میں بعض لوگوں کے لئے یہی بہتر ہو۔ کہ وہ ایک بے چینی اور اضطراب کی حالت میں اور اس خوف کے ساتھ کہ مبادا ایسا کرنے سے اُن کے ایمان کا جہاز شکستہ ہو جائے۔ پاک نوشتوں کے متعلق تحقیقات کرنا شروع کریں۔ مگر مجھے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ آدمی اس غیر ضروری

---

[1] میں سارے سچائی کے بھید بائیبل میں پاتا ہوں۔ سب جو کچھ میں جانتا ہوں میں نے اُسی سے حاصل کیا ہے۔ لیکن تو بھی میں ہر شخص سے یہی کہوں گا۔ کہ بائیبل پر مت یقین کرو اگر تم نہیں دیکھ سکتے کہ وہ سچی ہے آزادی اور دلیری کیساتھ اس کیساتھ برتاؤ کرو۔ وہ تمہاری دوست ہے۔ دشمن نہیں ہے اگر تم سدھائی اور صاف دلی کیساتھ اس سے سلوک نہیں کرو گے۔ تو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آئیگی (جیمس سٹیلو صاحب)

تکلیف و بے چینی سے بچنے کی کوشش نہ کرے۔ اور اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مقام پر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر اپنے ایسے دوست کی خاطر جمعی کردوں۔ اور اُسے یقین دلاؤں کہ اُس کے اس خوف وازالشبہ کے لئے کہ مبادا اس کا ایمان و اعتقاد الہام پر سے اُٹھ جائے مجھے کوئی معقول سبب نظر نہیں آتا۔

میں یہاں الہام ووحی کی ضرورت کے متعلق دلائل پیش کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ اور اس کے علاوہ پڑھنے والے کے خیالات اصل مقصد سے جو اس وقت مدِّنظر ہے آوارہ ہو جائیں گے۔ یہ کتاب ان ملحدوں کے لئے نہیں لکھی گئی۔ جو سرے ہی سے الہام ومکاشفہ کے منکر ہیں۔ بلکہ اُن مسیحوں کے لئے جو بائیبل کو خدا کی الہامی کتاب مانتے ہیں مگر بعض ایسی باتوں کو دیکھ کر جو اس کے خلاف نظر آتی ہیں۔ شک وشبہ میں گرفتار ہیں میں ایسے ہی لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب کے نام ہی سے یہ ظاہر ہے۔ کہ اس کتاب میں بائیبل کا الہامی ہونا پہلے ہی سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔

مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اکثر یہ سوال کہ "خدا نے بائیبل کو کس طرح الہام کیا۔" ایک دوسرے سوال تک کہ "کیا فی الحقیقت خدا نے بائیبل کو الہام کیا۔" لے جاتا ہے؟ کیا زمانہ حال کی بے چینی میں یہ امر اکثر نہیں دیکھا جاتا؟ اور اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس تحقیقات کی شروع ہی میں لوگوں کو اُن کے دلائل سے مطلع کر دیا جائے۔ جو اس بے چینی کے زمانہ میں دوسروں کی تقویت کا باعث رہے ہیں۔ اور انہیں یہ یقین دلائیں۔ کہ وہ تمام باتیں جن کے لئے ہم فی الحقیقت بائیبل کی قدر کرتے ہیں۔ ان حملوں سے بالکل محفوظ ہیں۔ بلکہ ایسے بلند وبالا ہیں۔ کہ زمانہ حال کے تمام مخالفین وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتے۔

۲

گواہوں کی ایک بڑی جماعت

اے پڑھنے والے۔ اگر کبھی تمہارے دل میں اس قسم کا خوف واندیشہ پیدا ہو کہ ممکن ہے کہ بائیبل۔ اگرچہ لوگ اُسے تین ہزار سال سے خدا کی دی ہوئی کتاب مانتے چلے آئے ہیں۔ مگر آج کل کے بحث مباحثہ اور دلیل و حجت کی بنا پر اس کے حق میں ایسے خیال غلط ثابت ہو جائیں۔ تو لمحہ بھر کے لئے ٹھہر کر اس خیال کے پورے زور و طاقت کو محسوس کرنے کی کوشش کرو۔ کہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ قدیم نوشتے جو ہمیشہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ جس سے اُن کی نکتہ چینی اور امتحان ہونا ممکن تھا۔ ہزارہا سال تک تو الہٰی الاصل مانے جائیں۔ اور لوگ انہیں اپنی زندگی کے لئے بطور دستور العمل کے مان لیں۔ بلکہ ایسے احکام کو بھی جو بالکل اُن کے ناپسند ہوں۔ تسلیم کر لیں اور پھر یہ قبول کرنے والے اور اطاعت کرنے والے وہ لوگ ہوں۔ جو دنیا کی عقیل اور اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوموں میں سے ہیں۔ اور زماناً بعد زمانہ صرف ایسا ہی ہوتا رہے۔ بلکہ اُس میں ترقی بھی ہوتی جائے۔ اور پھر اور کسی زمانے میں ایسی عجیب و غریب ترقی ہو کہ جیسے اس انیسویں صدی میں جو شائستگی۔ علمی روشنی اور عقلی تحقیقات میں سب زمانوں پر سبقت رکھتی ہے ؎

پاک نوشتوں کو یہ قوت و اختیار کہاں سے حاصل ہوا؟ یہ یاد رکھو کہ یہ تمام صحیفے الگ الگ تھے۔ اور بعض اوقات ایک ایک کی تصنیف و تحریر کے درمیان سینکڑوں برس کا عرصہ گذر جاتا تھا۔ اور اُن میں سے ہر ایک مختلف مزاج و خصلت کے آدمی نے مختلف قسم کے لوگوں کے لئے لکھا تھا۔ اور اُس کے زمانہ کے حالات بھی دوسروں سے مختلف تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کئی ایک صحیفوں کی بابت ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اُن کے لکھنے والے

کون تھے۔ اور انہوں نے کس طرح موجودہ صورت اختیار کرلی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہمیں اُن کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا جب کہ اُن کی ایسی ہی قدرو منزلت نہیں ہوتی تھی۔ اور لوگ انہیں کسی نہ کسی صورت میں انسان سے بالا ہستی کی بنائی ہوئی کتاب نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بطور ایک زنجیر کے معلوم ہوتی ہیں۔ جس کا ایک سرا تو نہایت ہی قدیم زمانے میں جا پہنچتا ہے۔ اور دوسرا سرا مسیح کے پاؤں کے پاس آکر ٹھہرتا ہے؛

اور پھر خاص کر اس امر کو بھی مدِّ نظر رکھو۔ کہ وہ صحیفے کسی خاص معجزے کے ذریعہ انتخاب نہیں کئے گئے تھے۔ اور اُن کا انحصار کسی بیرونی صاحبِ اختیار جماعت کے باقاعدہ فیصلہ پر نہیں ہے۔ نہ وہ کسی کلیسیا کے یا کونسل کے۔ نہ کسی پوپ کے یا مقدّس ولی کے۔ نہیں بلکہ وہ خود ہمارے مبارک خداوند کے فیصلہ پر بھی مبنی نہیں ہیں کیوں کہ اُس کے آنے سے بہت عرصہ پہلے صدہا سال سے وہ برابر اُس کے حق میں شہادت دیتے۔ اور ایک آسمانی پیغام کی طرح "جو مختلف زبانوں میں اور مختلف طور سے" دیا گیا۔ اُس کے آنے کی خبر کو لوگوں کے دلوں میں تروتازہ رکھتے اور اُس کا امیدوار بناتے چلے آتے تھے۔ اُن کی ساری تاریخ کو مطالعہ کر جاؤ۔ اور تمہیں کہیں بھی پتہ نہیں ملے گا۔ کہ وہ کتابیں کسی بیرونی صاحبِ اختیار شخص یا جماعت کے حکم سے قبول کی گئیں۔ پیشتر اس کے کہ وہ ایک جلد میں جمع کی گئیں۔ بہت صدیوں سے بہت سی نسلیں انہیں برابر الہٰی الاصل مانتی چلی آئی تھیں۔ لوتھر کا قول ہے۔ کہ "کلیسیا کسی کتاب کو اُس سے زیادہ قدرت یا اختیار نہیں دے سکتی۔ جس قدر کہ وہ اپنے میں رکھتی ہے۔ ایک کونسل اُس کتاب کو پاک نوشتوں کی فہرست میں داخل نہیں کر سکتی۔ جو اپنی ذات میں پاک نوشتہ نہیں ہے"؛

لوگ کہتے ہیں۔ کہ بڑی مجلس[۱] یا اُن کے جانشینوں نے عہدِ عتیق کے مسلمہ صحیفوں کو جمع کیا۔ ہاں مگر کب؟ خداوند مسیح کے زمانہ کے قریب۔ جب کہ وہ کتابیں صدیوں سے خدا کی کتابیں مانی جا چکی تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسیحی کلیسیا نے عہدِ جدید کے صحیفے جو بائبل میں ہیں۔ جمع کئے ہاں۔ مگر کب؟ اس کے بعد کہ وہ تین سو سال تک کلیسیا کی ہدایت کے لئے خداداد رہنما تسلیم ہو چکے تھے۔ اُن کا بائبل میں جمع کیا جانا انہیں با اختیار یا قابلِ سند نہیں بنا دیتا۔ بلکہ اُن کا قابلِ سند ہونا تھا جس کے سبب سے انہیں بائبل میں جگہ ملی۔

ہم پھر وہی سوال کرتے ہیں۔ کہ اُن کو یہ اختیار کہاں سے حاصل ہوا؟ اور اس کا فقط یہی جواب ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سند و اختیار اُن کے اندر ذاتی طور پر موجود تھا۔ یہ رتبہ جو اُنہیں حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی ہی قدرت سے حاصل کیا تھا۔ اور انسان کی اخلاقی حِس اور عقل نے اُس کے قائم کرنے میں اتفاق کیا۔ وہ اپنی ہی باطنی قدر و قیمت کے لحاظ سے انسان کی خداداد اخلاقی قوت و ملکہ کو پسند آتے ہیں۔ اور یہی پسندیدگی اور قبولیت در حقیقت بائبل کی موجودہ حیثیت و مرتبہ کی بنیاد ہے۔

عہدِ عتیق کے صحیفوں پر نظر کرو۔ اگر اس زمانہ میں ہم سے سوال کیا جائے۔ کہ ہم انہیں الہامی کیوں مانتے ہیں۔ تو ہم عموماً یہ جواب دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم انہیں اپنے خداوند اور اس کے رسولوں کی سند پر الہامی مانتے ہیں۔ انہوں نے اُسے کلام اللہ قبول کیا۔ اور گویا اپنے

---

[۱] بڑی مجلس۔ ایک یہودی مجلس کا نام تھا جس کے بانی روایت کے بموجب خود حضرت عزرا یا عزیر بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جو مذہبی امور کے متعلق ۴۵۰ سے ۲۰۰ قبل مسیح تک یہودی قوم پر حکومت کرتے رہے۔ اس کے شرکاء کی تعداد ۱۲۰ اور بعض اوقات ۸۵ بتائی جاتی ہے۔ سب سے بڑا کام جو اس مجلس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سو یہ ہے۔ کہ اس نے پاک نوشتوں کے قانون یعنی عہدِ عتیق کے مشمولہ کتب کی ترتیب و تدوین کی مگر بعض علماء اس مجلس کے وجود کے منکر ہیں۔

دستخط کے نیچے اُسے اِس حیثیت سے ہمارے حوالے کر دیا۔ لیکن اُن کے زمانہ سے پہلے بغیر کسی اس قسم کی منظوری کے وہ کیوں مانے جاتے تھے؟ یہ کس طرح ہوا کہ لوگ۔ موسیٰ۔ یسعیاہ۔ یرمیاہ، ہوسیع، یوئیل، عاموس۔ میکاہ وغیرہ وغیرہ نبیوں کے کلام کو خدا کا الہام کیا ہوا ماننے اور اُس پر عمل کرنے لگ گئے۔ موسیٰ کے سوا۔ اور کسی کے حق میں ایسے معجزے یا نشان نازل نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ آسمان سے کوئی اِس قسم کی صدا سنائی دی۔ جو لوگوں کو اُن کی اطاعت کا حکم دیتی تھی۔ اور نہ اُن کا الٰہی الاصل ہونا کسی بیرونی اختیار کے ذریعہ سے قائم کیا گیا۔ تو پھر کس وجہ سے اُن کے اقوال قبول کئے گئے؟

یہ ظاہر ہے کہ اس کا فقط ایک ہی جواب ہوسکتا ہے۔ "یہ بزرگی انہوں نے اپنے ہی اندرونی دعوؤں کے لحاظ سے حاصل کی۔ انسانوں کو مجبوراً یہ اقبال کرنا پڑا کہ اُن انبیا کا یہ دعویٰ کہ "خداوند کا کلام اُن پر نازل ہوا ہے" سچا ہے۔ ان انبیا کے پیغاموں میں اور اُس شہادت میں جو اُن کے شامل حال تھی۔ ایک ایسی بات تھی۔ جو خواہ مخواہ یقین پر مجبور کرتی تھی۔ جب کوئی نبی ظاہر ہوتا تھا۔ تو اُس کے دعوے پر اکثر جھگڑا ہوا کرتا تھا۔ اور اکثر یہ جھگڑا بڑے جوش وخروش کے ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن تو بھی نبی کی آواز۔ اور جو پیغام وہ خداوند کی طرف سے لاتا تھا۔ اُس کے اپنے ہی زمانہ میں چند ایماندار لوگ قبول کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ مگر یقینی طور پر اس کے دوسرے ہم قوموں کو ماننا ہی پڑتا تھا۔

"عبرانی نوشتوں کی اس تاریخ میں ہمیں صاف صاف اور قطعی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ پاک نوشتوں کی اس اختیار وسند کی اصلی بنیاد کیا ہے۔ کوئی بیرونی صاحب اختیار شخص یا جماعت نہ تھی جن سے اس بارہ میں اپیل کی جاتی۔ معجزوں کی شہادت بھی ہمیشہ موجود نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر ہوتی بھی تو وہ بجائے خود ایک قطعی ثبوت نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ نبیوں کا پیغام "خداوند کا کلام" تھا۔ اور وہ اس سے بڑھ کر اور کوئی سند اُس کے ثبوت میں پیش نہ کر سکتے تھے مگر جلدی یا دیر کے بعد وہ کلام خود بخود لوگوں کو

اُس کی مقبولیت پر مجبور کرتا تھا۔ اور جوں جوں یہودی قوم کی عمر زیادہ ہوتی گئی۔ اور جس قدر اِن پاک کتابوں کو لوگوں کے دلوں پر اپنا اثر ڈالنے کا زیادہ موقعہ ملا۔ اسی قدر زیادہ کامل طور پر اور بغیر دلیل وحجت کے ان لوگوں نے اُن کا الہٰی الاصل اور قابل سند ہونا تسلیم کر لیا۔ خدا کے کلام نے اپنا رتبہ آپ ثابت کر دیا۔ سخت دل اور سرکش لوگ اُس کی نسبت جھگڑا کرتے رہے۔ لیکن وہ قائم رہا۔ اور آخر کار اُس نے اپنی راہ نکال لی۔ اُس نے نبیوں کے اِس یقین کی بھی تصدیق کر دی کہ "میرا کلام میرے پاس بے انجام نہ پھرے گا۔ بلکہ جو کچھ میری خواہش ہو گی وہ اُسے پورا کرے گا۔ اور اُس کام میں جس کے لئے میں نے اُسے بھیجا موثر ہو گا۔ (یسعیا ۵۵: ۱۱)"

اور حقیقت میں بھی ایسا ہی تھا۔ کہ آدمی ایک آواز سُنتے تھے۔ اور انہیں اس امر کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔ کہ وہ آواز کس کی طرف سے آئی ہے۔ کیا وہ ہیبت ناک اور دل میں چبھنے والے یرمیاہ کے اقوال فقط ایک ایسے آدمی ہی کے اقوال سمجھے چاہئیں جو اپنے ہم جنسوں سے ذرا زیادہ دانا اور بہتر تھا؟ یا کیا وہ سچ مچ جیسا کہ نبی کہتا تھا۔ اُس خدا قادر کا کلام تھا۔ جو دلوں کو جانچتا ہے۔ جو ہمارے راہوں کو دیکھتا ہے اور ہمارے بستر کے پاس ہوتا ہے۔ اور ہماری تمام روشوں کو معلوم کر لیتا ہے؟ اس آواز کا کوئی نہ کوئی مصنف تو ضرور ٹھہرانا چاہیئے۔ اور جس قدر زیادہ وہ اُس کو سنتے تھے۔ اُسی قدر اُن کے شبہ کم ہوتے جاتے تھے۔ کہ وہ ضرور خدا ہی کی آواز ہے۔ جب ایک دفعہ یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ تو نبی کے ہر ایک قول کو جو یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ لوگ خواہ مخواہ قیمتی سمجھنے لگ جاتے تھے۔ اور بڑی عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ اور اس طور وہ پاک نوشتوں کا مجموعہ بنتا گیا جو ہمارے خداوند کے زمانہ میں خدا کی الہامی ہوئی کتاب مانا جاتا تھا۔

"مسیحیوں کے درمیان عہد جدید کے صحیفے اسی طرح جیسے کہ عہد عتیق کے صحیفے

یہودیوں کے درمیان۔ اُن کی قدر و قیمت کے سبب تسلیم کر لئے گئے تھے۔ بعض گواہ اُٹھے اور انہوں نے خداوند کی تعلیم کو لکھ دیا۔ یا بعض پیغامات سنا دیئے جن کے سُنانے کا انہیں اختیار ملا تھا۔ یا اُنہیں لوگوں تک پہنچانے کے لئے روح کی ہدایت ملی تھی۔ لوگوں کو اس امر کا فیصلہ کہ آیا وہ ان دعوؤں کو قبول کریں گے یا نہیں اپنے طور پر کرنا ہوتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ بہت سی حالتوں میں۔ گو ہمیشہ نہیں۔ رسولوں کے کلام کی تائید معجزوں سے بھی ہوتی تھی۔ لیکن گو یہ معجزات کچھ دیر کے لئے شاہد کا کام دیتے۔ مگر وہ بذات خود اور تن تنہا اس تمام مقدمہ کے تصفیہ کے لئے قطعی شہادت تسلیم کئے جانے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ سب محسوس کرتے تھے۔ کہ کوئی ظاہری معجزہ بجائے خود کسی الٰہی پیغام کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے ساتھ ہی اس پیغام میں اندرونی گواہی اس قسم کی موجود نہ ہو۔ کہ وہ درحقیقت خدا ہی کی طرف سے آیا ہے۔ قصہ مختصر ابتدائی کلیسیا بھی۔ جیسا کہ خود ہمارے خداوند کے زمانہ میں۔ انسان کے دل اور ضمیر ہی کو حکم یا جج مقرر کیا جاتا تھا۔ مسیح خود بھی لوگوں کے دلوں اور ضمیروں کو اپنا گواہ ٹھہراتا تھا۔ اور آدمی اُس قابلیت کے مطابق اُسے قبول کرتے یا رد کرتے تھے جو اُس کی الٰہی خصلت کے پہچاننے کے لئے اُن کی فطرت میں رکھی گئی تھی۔

"اس طور سے شروع سے آخر تک پاک نوشتوں کی سند و اختیار اُس سند و اختیار کے ہم پلہ تھی جو وہ لوگوں کو اس امر کا یقین دلانے کے متعلق کہ وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں۔ اپنی ذات میں رکھتے تھے[1]"۔

اب کیا یہ شہادت ان کتابوں کے الہامی ہونے کے بارے میں قابل لحاظ ہے کہ نہیں؟ ہم یقین کرتے ہیں۔ کہ یہ سب خدا ہی کا کام ہے۔ بائیبل کو محض کلیسیا ہی نے چُن نہیں لیا۔ "بائیبل نے بھی کلیسیا کی طرح اُسی رُوح قدس کے عمل سے صورت پکڑی۔ جو

---

[1] یہ عبارت کینن وکس صاحب کے ایک وعظ سے لی گئی ہے۔

جو دونوں کی جان ہے!! یہ روح القدس ہی کا آلہی عمل تھا جس نے خاص خاص کتابوں کو کلیسیا کی دائمی تعلیم و تربیت کے لئے چن لیا۔ مگر ہمیں اس امر پر بھی زور دینا چاہیئے کہ اس کا طریق عمل یہ تھا۔ کہ انسانی ارواح کو زندگی بخشے۔ اور اُن کی راہ نمائی کرے کہ وہ اس چیز کو جو اُن کی مذہبی زندگی کے لئے ممد و معاون اور تحریک کرنیوالی تھی۔ انتخاب کر لیں۔ اور ادب و عزت کے ساتھ اُسے استعمال میں لائیں۔ اور اسی آلہی تمیز کے ذریعے سے لوگوں نے آخر کار بتدریج اگو اس امر کو جانے بغیر! چند تحریرات کے مجموعے کو مستند کتابیں تسلیم کر لیا۔ اِس طور سے گویا بائیبل نے خود اپنے آپ کو اُس آلہی طاقت کے وسیلے سے جو اُس میں فطرتاً موجود تھی۔ بنا لیا۔ اُس نے خود اپنا راستہ تیار کیا۔ اور خود ہی اپنے لئے تخت مہیّا کیا۔ اور انسانی شعور میں جو نیکی کا مادہ ودیعت کیا ہوا ہے۔ اُس نے اس امر کو تسلیم کر لیا۔ کہ بائیبل فی الحقیقت اس لائق ہے۔ کہ ہمارا حاکم و رہنما ہو"۔

یہی امر ہے جسے میں خاص طور پر ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں۔ کہ بائیبل نے اپنی آلہی طاقت کا ثبوت اس امر سے دیا ہے۔ اور اپنے موجودہ رتبہ کو اسی وجہ سے پہنچا ہے۔ کہ اُس نے انسان کی بہت سی نسلوں پر اُن کی قوّت شعور اور ضمیر پر اپنا سکہ بٹھا کر اُن کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ آج کل بھی حکمرانی کر رہا ہے میں خاص کر تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں۔ کہ بائیبل کی موجودہ حیثیّت کسی معجزہ یا کسی کلیسا یا کونسل کی سند پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ اُس اختیار اور تاثیر پر جو وہ لوگوں کی ضمیر اور ذہن پر کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ تم کسی معجزہ کی نسبت شک کرو۔ بلکہ اپنی فطرتی تمیز پر بھی شک کرنے لگ جاؤ۔ اور شاید کسی جماعت کے اختیار کو ماننے میں بھی تمہیں تامّل ہو۔ مگر تم سینکڑوں نسلوں کے یقین و اعتماد پر ایسی آسانی سے شبہ نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس کتاب سے نور و ہدایت، اُمیّد و اطمینان حاصل کیا۔

اُنھوں نے اسی کتاب سے نیک بننے کی قوت حاصل کی۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ درحقیقت خدا کی طرف سے آئی ہے۔[1]

اِس لئے بائیبل کا مدار کسی ایسی بنیاد پر نہیں ہے۔ جسے کوئی آدمی اکھاڑ سکے۔ اس کا اختیار و سند آج کے دن اسی امر پر موقوف ہے۔ کہ وہ اِس موجودہ نسل

---

[1] میں جانتا ہوں کہ اس موقعہ پر لوگ کہیں گے۔ کہ اس دلیل کی بنا پر تو قرآن اور ہندوستان کی دیگر مقدس کتابوں کا مقبول عام ہونا بھی اسی نتیجہ کو چاہیگا۔ اور اس طور سے یہ دلیل کمزور ہو جائے گی لیکن مجھے اس امر کی قبولیت میں کچھ بھی تامل نہیں۔ کہ ان کتابوں میں کسی قدر اُن کی قبولیت کی وجہ یہی ہے۔ کہ وہ لوگوں کی ضمیر کو اپیل کرتی ہیں۔ کیوں کہ اُن میں بھی "اس نور کی جو ہر ایک آدمی کو دنیا میں آتا ہے۔ روشن کرتا ہے"، شکستہ شعاعیں پائی جاتی ہیں۔ مجھے یہ سُن کر سخت افسوس ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ مسیحی دین اپنے پیروؤں سے اس قسم کے یقین کا خواہاں ہے۔ کہ سارے عالم کے خدا اور باپ نے ساری غیر مسیحی دنیا کو اپنی طرف سے کسی قسم کی روشنی دیئے بغیر اکیلا چھوڑ دیا۔ مگر تو بھی یقیناً بائیبل اور ان کتابوں کی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ جو اچھی باتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ وہ پہلے ہی مسیحی اور یہودی ادیان میں موجود تھیں۔ اور وہ فقط انہیں میں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ فقط محمدؐ صاحب کے اختیار و سند پر جاری کیا گیا تھا۔ اور یہ دعویٰ اکثر تلوار کے ذریعہ سے منوایا جاتا تھا۔ ہندوستان کی کتب مقدسہ اگرچہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کے درمیان روحانی سچائیوں کے موتی بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ یقیناً اس دلیل کے مطابق بائیبل کے مقابلہ میں پیش کئے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اُن کا ادنیٰ اور جاہل اقوام کے درمیان جن میں سے بہت کم لوگ اُن کے مضامین سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ مانا جانا ایک بالکل دوسری بات ہے۔ بائیبل کو دنیا کی اعلیٰ اقوام کے درمیان قبولیت حاصل ہے۔ جہاں اکثر لوگ اس کے مضامین سے واقف ہیں۔ اور اس کی تحقیقات و جستجو میں مشغول ہیں۔ اور جن کے لئے اس کی قبولیت یا رد بڑا اہم اور گراں قدر امر ہے۔

کے دل اور ضمیر کو اپیل کرتا ہے۔ اور یہ اپیل اُس اپیل کے نتیجہ سے اور بھی زیادہ قوی ہو گئی ہے۔ جو وہ گذشتہ نسلوں کے دل و دماغ کو کرتا رہا ہے۔ تمام زمانوں میں سب سے بہتر اور پاک لوگ۔ اور جو اس وجہ سے ایک مذہبی کتاب کے متعلق رائے دینے کی زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے حق میں گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ اور اس گواہی نے جمع ہوتے ہوتے ایک بہت بڑے انبار کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے تامل کر کے ان واقعات کی عظمت پر نگاہ کرو۔ اور اس تصدیق کی قوت کو بھی محسوس کرو۔ جو خود تمہاری ضمیر کی شہادت کو مضبوط کرتی ہے۔ اس بات پر خوب لحاظ کرو کہ اس کتاب کی قدرت پہلے کی نسبت اب اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اس بات پر بھی لحاظ کرو۔ کہ جو عقلی یا اخلاقی مشکلات لوگوں کو آج کل اس میں نظر آتی ہیں۔ وہ ہمیشہ سے اُس میں موجود تھیں۔ اور ہمیشہ لوگوں کی نظروں کے سامنے رہی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو۔ کہ وہ باوجود اُن سخت اور شدید حملوں کے جو گذشتہ صدیوں میں برابر اُس پر ہوتے رہے ہیں۔ اپنے اختیار و عظمت کے رتبہ پر ثابت و قائم رہی ہے۔ ملحدین بے شمار دفعہ اپنی طرف سے اُس کا قلع قمع کر چکے ہیں۔ مگر اُس کا نتیجہ یہی ہوتا رہا۔ کہ بجائے برباد ہونے کے اُس کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی ہے۔ یہاں تک کہ آج کے دن انسانی زندگی میں سے بائیبل کو اکھاڑ پھینکنا۔ ایسا ہی مشکل ہو گا۔ جیسا سورج کو آسمان میں سے نکال پھینکنا۔

صرف ایک واقعہ کو بطور مثال کے لیجئے۔ سو سال کا عرصہ ہوا والٹیر فرانس کے ایک مشہور دہریہ نے اپنے نزدیک اس کی کامل تردید کر دی۔ اور لکھا کہ "ایک صدی کے عرصہ میں بائیبل اور مسیحی دین گذشتہ زمانہ کی باتیں سمجھی جائیں گی"۔ مگر دیکھو کہ اس کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی؟ اس کے زمانہ سے بیشتر ساری دنیا میں شروع سے لیکر

مشکل سے ساڑھے لاکھ بائیبل کے نسخے تیار کئے گئے ہوں گے۔ مگر اُس کے زمانہ سے لے کر ایک ہی صدی کے عرصے میں ۲ ارب سے زیادہ بائیبل اور بائیبل کے صحیفے چھاپہ خانہ سے نکلے۔ اور وہ بھی ایسی ہیں جو علم و دانش اور نکتہ چینی اور سچائی کی جانچ پڑتال کے لحاظ سے سب پر سبقت رکھتی ہے۔ اور اس وقت اسّی مختلف بائیبل سوسائٹیاں انسان کی ہر ایک معلومہ زبان میں اور دنیا کے ہر حصّہ میں اُسی کتاب کو تقسیم کر رہے ہیں ÷

اگر یہ کتاب الٰہی الاصل نہ ہو تو واقعی یہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب بات ہو گی۔ ملحدوں میں اگر کچھ حوصلہ ہے تو ان واقعات کی کوئی اور اطمینان بخش تشریح کر دکھائیں جس مسیحی کے دل میں کسی قسم کی بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اس بات سے ہمت پکڑے۔ اور یہ کبھی نہ بھولے کہ خواہ انسان کے خیالات بائیبل کے متعلق کتنے ہی تبدیل کیوں نہ جائیں۔ مگر یہ واقعات ہرگز ٹل جل نہیں سکتے ÷

۳

خود کتاب کی شہادت

اب ہم خود کتاب کی طرف متوجہ ہو کر اس کا امتحان کرتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ کیا وجہ ہے کہ یہ تمام زمانوں میں ایسے با اختیار طور پر لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتی رہی ہے۔ بیرونی شہادت جس نے ابتدائی کلیسا کے دلوں پر اثر ڈالا۔ ہم اس وقت اس کا ٹھیک ٹھیک کھوج نہیں لگا سکتے۔ اس امر میں ہم فقط انکی شہادت ہی کو قبول کر سکتے ہیں۔ اندرونی شہادت جس سے اس کی وہ تاثیر مراد ہے۔ جو وہ انسان کے دل اور ضمیر پر کرتا ہے۔ اُس کی نسبت "ہر ایک آدمی جو خدا کی مرضی بجا لانا چاہتا ہے" اب بھی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اب ہم مختصر طور پر کتاب پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور دیانت

داری سے اس کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں وہ باتیں جو نقص یا قصور معلوم ہوں نظرانداز نہیں کرنی چاہئیں۔ گویا کہ وہ اگلے زمانوں میں ایسی نہ معلوم دی ہوں۔ اب ہم اُس کی بڑی بڑی خصوصیات کو دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ دنیا اور اس کے تمام تفکرات اور کاروبار کے درمیان یہ کتاب، دنیاداروں کی طرح دنیا پرست نہیں معلوم ہوتی۔ وہ روح کے عالم بالا سے واسطہ رکھتی ہے۔ وہ کم و بیش فصاحت کے ساتھ لوگوں کو خدا اور فرض اور راستبازانہ زندگی کی برابر تعلیم دیتی رہی ہے۔ ہمیں اُس میں ایسے خیالات کا سامنا ہوتا ہے۔ جو اس دنیا کے علم سے بالا ہیں۔ یہ خدا کی محبت، خدا کی ابویت (یعنی باپ ہونے) خدا کی معافی کے متعلق خیالات ہیں۔ اور وہ ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے۔ کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی اُسی کو تسلیم کر دیں۔ اور پھر اُسی کے لئے اور اُسی کی خدمت میں زندگی بسر کریں۔ کیا اس قسم کے خیالات محض انسانی دل سے بلاکسی بالائی امداد کے پیدا ہو سکتے تھے؟

۱۔ ہم اس میں یہودیوں کی قومی تاریخ پاتے ہیں:-

یقیناً قومی تاریخ کبھی ایسے عجیب و غریب طور پر نہیں لکھی گئی ہوگی۔ اُس میں ہر ایک چیز الٰہی پہلو سے دیکھی جاتی ہے۔ کہ اُس کا اُس کے ساتھ کیا لگاؤ ہے دوسری قوموں کے تحریری واقعات میں یہ درج ہے۔ کہ اِس یا اُس عظیم الشان بادشاہ نے کیا کیا کارہائے نمایاں کئے۔ کس طرح اُس قوم نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی۔ یا اُن سے مفتوح ہوگئی۔ مگر یہودیوں کی تاریخ میں ہر ایک بات خدا کی طرف منسوب ہے۔ یہ خدا تھا جس نے فتح پائی۔ یہ خدا ہی تھا جس نے رہائی

دلائی۔ خدا ہی تھا جس نے سزا دی۔ خدا ہی تھا جو تعلیم دیتا ہے۔ اس میں قومی شان و شوکت یا حشمت و جلال کی نسبت کوئی فخر نہیں پایا جاتا۔ اور نہ خود سرائی کر کے قوم کو شیخی بگھارنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ بلکہ اُن کے بڑے سے بڑے گناہ اور ذلتیں اور سزائیں ایسے ہی پورے طور پر بے کم و کاست بیان کر دی ہیں جیسے اُن کی خوشیاں اور فتوحات۔

دوسری اقوام میں ان کی قدرت اور مرفہ الحالی۔ آسائش اور مال و دولت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مگر ان عجیب تحریروں میں فقط نیکی ہی ایک قابلِ لحاظ چیز سمجھی جاتی ہے۔ نیکی کرنا اور راستی پر کاربند ہونا۔ شرافت یا دولت یا دنیاوی کامیابی کی نسبت بہت زیادہ قابلِ قدر اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہم اس قسم کی تاریخ نویسی کو محض ایک زمینی بات سمجھیں۔ تو یہ ایک عجیب بات ہو گی۔ مگر افسوس ہے۔ کہ نہ تو ہمیں اور نہ اور کسی قوم کی تاریخ نویسی کا ڈھنگ آیا۔

۲۔ ہم برابر گویا ایک قسم کی خفیہ آواز اس تاریخ کے سلسلے میں سنتے آتے ہیں۔ جو لوگوں کو دھمکاتی۔ ہمت دلاتی۔ اور جب کبھی وہ نارضامند ہوتے ہیں۔ تو اُن کی منت کرتی پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں نبی یا مورخ یا مقنن کا فقط یہی فرض معلوم ہوتا ہے۔ کہ گناہ کے لئے ملامت کرے۔ پاکیزگی و تقدس کی ترغیب و تحریص دے۔ اور لوگوں کو (جیسا کہ کہیں کہیں۔ گو ایسی صفائی کے ساتھ نہیں نظر آتا ہے) ایک شریف اور خوبصورت زندگی کے نمونہ کی طرف متوجہ کرے۔ یقیناً اس قسم کی بات اور قوموں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

کیا کوئی شخص یہ کہے گا۔ کہ یہ امر یہودی قوم کے اخلاقی میلان کے طبعی نشو و نما کا نتیجہ تھا؟ لیکن کیا یہ سچ ہے۔؟ مگر وہ قوم تو خود اپنی زبان سے یہ اقرار کرتی ہے۔ کہ اُن کا طبعی میلان زیادہ بت پرستی اور جرائم کاری کی طرف تھا۔ اس بات کو یاد کرو۔

کہ کیسی ناراضامندی کے ساتھ وہ تعلیم کو قبول کرتے تھے۔ اور کس قدر کم اُس پر کاربند ہوتے تھے۔ وہ کس طرح اپنے انبیا کو جو ان کے پاس پیغام لے کر آتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ اور وہ بالکل اِس قول کے مصداق تھے۔ جیسا کہ ستفنس نے اُنہیں خطاب کر کے کہا تھا۔ کہ "اے سرکشو اور دل اور کان کے نامختونو۔ تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو" نہیں، بنی اسرائیل کے طبعی میلان اور خود آگاہی سے اِس قسم کی آواز کا نکلنا ہرگز ممکن نہ تھا۔

۳۔ پھر اس قوم کی قومی نظموں اور گیتوں پر نظر کرو۔

میرے نزدیک تو یہ سارے عالم کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معجزہ کہ جان برائٹ انگلستان کا مشہور فصیح و بلیغ مقرر یہ کہا کرتا تھا۔ کہ فقط یہی ایک بات بائیبل کو الہامی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ میں نہیں خیال کر سکتا۔ کہ کوئی گرم جوش اور راستی پسند بے دین شخص بھی ان کو اچھی طرح سے مطالعہ کرے۔ اور پھر بھی یہ کہے کہ یہ معمولی انسانی دماغ کی پیداوار ہے۔

جب میں اُس زمانہ کی دنیاوی تاریخ پر نظر کرتا ہوں۔ جب کہ زبور لکھی گئی۔ (اور اِس امر کے لئے میں آخری سے آخری تاریخ لوں گا۔ جو کہ آج کل کے علما نے بہت سی نکتہ چینی اور چھان بین کے بعد ٹھہرائی ہے) اور جب میں اُس زمانہ کی غلاظت اور حرام کاری۔ بت پرستی، اور باطل پرستی۔ اور خدا اور فرض کی نسبت اُن کے ادنیٰ اور ذلیل خیالوں کو دیکھتا ہوں۔ اور جب میں اُس تاریخ کو اپنی بائیبل کے مقابلہ میں رکھ کر زبور کی کتاب پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مجھے یقین ہوتا ہے۔ کہ سخت سے سخت اور کٹر ملحد بھی ان دونوں کے باہمی اختلاف کو دیکھ کر اس امر کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا۔

"اے خدا اپنی رحمت کے مطابق مجھ پر ترس کھا۔ اور اپنے رحم کی کثرت کے موافق میرے گناہ مٹا دے۔ مجھے میری بدکاری سے خوب دھو۔ اور میری خطا سے مجھے پاک کر۔ کیونکہ میں اپنے گناہ مان لیتا ہوں۔ اور میری خطا ہمیشہ میرے سامنے ہے۔ میں نے فقط تیری ہی خطا کی ہے اور جو تیری نظر میں بُرا ہے۔ سو میں نے کیا۔ تاکہ تو اپنی باتوں میں صادق ٹھہرے۔ اور اپنے انصاف میں ٹھیک نکلے۔ میری خطاؤں سے چشم پوشی کر۔ اور میری سب بدکاریاں مٹا ڈال۔ اے خدا۔ مجھ میں ایک پاک دِل خلق کر اور ایک مستقیم روح میرے اندر نئے سر سے ڈال مجھے اپنے حضور سے مت نکال۔ اور اپنی پاک روح مجھ سے مت لے لے۔ ... خدا کی قربانیاں شکستہ دل ہیں شکستہ اور خستہ دِل کو اے خدا تو ناچیز نہ سمجھے گا[۱] ....."

"اے میری جان یہوواہ کو مبارک کہہ۔ اور جو کچھ مجھ میں ہے۔ اُس کے مقدس نام کو مبارک کہہ۔ اے میری جان یہوواہ کو مبارک کہہ۔ اور اُس کے احسان کو مت بھول۔ جو تیری ساری بدکاریوں کو معاف کرتا ہے۔ جو تجھے ساری بیماریوں سے شفا بخشتا ہے جو تیری زندگی کو نیستی سے چھڑاتا ہے۔ جو رحمت اور کرم سے تجھے گھیرتا ہے..... یہوواہ رحیم و کریم ہے۔ غصہ میں دھیما اور رحمت میں بڑھ کر۔ وہ تا ابد ملامت کرتا نہ رہے گا۔ وہ تا ابد غصہ نہ رہے گا۔ اُس نے ہماری خطاؤں کے موافق ہم سے سلوک نہ کیا۔ اُس نے ہماری بدکاریوں کے مطابق ہمیں بدلہ نہ دیا۔ کیونکہ دیکھو۔ آسمان زمین سے کس قدر بلند ہے۔ اسی قدر اُس کی رحمت اُس سے ڈرنے والوں پر بڑی ہے۔ دیکھو۔ پورب پچھم سے کتنا دور ہے۔ اتنے ہی دور ہم سے اُس نے ہمارے گناہ ڈال دیئے۔ ہاں جیسے باپ اپنے بچوں پر ترس کھاتا ہے

۱۔ زبور ۵۱۔

ایسے ہی یہوواہ اُن پر جو اُس سے ڈرتے ہیں رحم کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ ہماری حقیقت جانتا ہے۔ وہ یاد رکھتا ہے۔ کہ ہم خاک ہی تو ہیں[1]۔۔۔۔۔؟

"یہوواہ میرا چرواہا ہے۔ مجھے کچھ کمی نہیں۔ وہ مجھے ہری چراگاہوں میں بٹھاتا ہے۔ وہ مجھے راحت کے پانی کی طرف لے چلتا ہے۔ وہ میری جان بحال کرتا ہے۔ وہ اپنے نام کی خاطر صداقت کی راہوں پر میری رہنمائی کرتا ہے۔ بلکہ جو میں موت کے سایہ کی وادی میں بھی چلوں۔ تو بھی مجھے خوف و خطر نہ ہوگا۔ کیوں کہ تو میرے ساتھ ہے۔ تیری چھڑی اور تیری لاٹھی، وہی میری تسلی کریں گے۔ تو میرے دشمنوں کے روبرو میرے آگے دستر خوان بچھاتا ہے۔ تو میرے سر پر تیل ملتا ہے۔ میرا پیالہ لبریز ہے حقیقت میں بھلائی اور رحمت عمر بھر میرا پیچھا کریں گے۔ اور میں یہوواہ کے گھر ابد الآباد تک سکونت کروں گا[2]"

میں ایسے زبوروں سے جن میں دشمنوں کو کوسا گیا ہے۔ یا اور اسی قسم کے عیوب سے بے خبر نہیں ہوں میں اس مضمون پر آگے چل کر بحث کروں گا۔ وہ باتیں اس عجیب و غریب اور شاندار مجموعہ میں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے سورج کے چہرے کے داغ۔ سوچو کہ یہ نظمیں اُس زمانہ میں لکھی گئیں جب کہ رومتہ الکبریٰ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور پھر اپنے دلوں سے سوال کرو۔ کہ کیا محض انسان ہی اس قسم کا کلام بنا سکتا تھا؟

۴۔ اور اب میں ایک اور عجیب امر کا بیان کروں گا۔

جب ہم اس کتاب کا امتحان کرتے ہیں۔ تو ہم اُس میں معلموں کا ایک سلسلہ پاتے ہیں۔ ان کی نسبت ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ محض مذہبی جوش و خروش کے

---

[1] زبور ۱۰۳۔ [2] زبور ۲۳۔

غلام تھے۔ کیوں کہ وہ بڑے ٹھنڈے دل سے باتیں کرتے اور صاحب عقل و شعور معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کو دغاباز یا مکار بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ اُن کی تعلیم بہت ہی عالی پایہ ہے۔ اور باوجودیکہ اُن کی جان اس کے سبب سے معرضِ خطر میں تھی۔ تو بھی وہ دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ وہ یہوواہ کی طرف سے بولتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ محسوس کرتے تھے۔ کہ کوئی خفیہ روح اُن کی روح کے ساتھ جدوجہد کرتی ہے۔ اور انہیں تعلیم و روشنی بخشتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات انہیں کلام کرنے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ انبیار کے سارے صحیفوں کو پڑھ جاؤ۔ اور اس بات کا زور محسوس کرو۔ کہ کس طرح وہ ان الفاظ کو بار بار دہراتے ہیں۔ "خداوند کا کلام"۔ "خداوند یوں فرماتا ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات تم یہ بھی دیکھو گے کہ نیم رضا نبی "خداوند کے بوجھ" کے نیچے آہ و نالہ کرتا نظر آتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا اپنی مرضی کے خلاف اس امر پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ خدا کی منتوں یا دھمکیوں کی بابت لوگوں سے کلام کرے۔ اور یہ سب اکثر اوقات اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کرتا ہے اور جب تم یہ سب کچھ دیکھ چکو۔ تو پھر اپنے دل سے سوال کرو کہ کیا ایسی باتیں معمولی انسانی تاریخوں میں پائی جاتی ہیں۔

۵۔ اب اس کتاب کی اور خصوصیت بھی دیکھو۔

وہ آئندہ زمانہ کے متعلق پیشین گوئی کرتی ہے۔ اور اس کی پیشین خبریں پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ بھلا کون دانا یا مدبر بلا امدادِ عالم بالا ایسا کر سکتا تھا؟ خدا فرماتا ہے۔ "کون ہے جو میری طرح آنے والی باتوں کی خبر دے"؟

بھلا جہاں اس قدر کثرت سے ایسے واقعات ہوں۔ میں وہاں کس کس کو بطورِ مثال کے چنوں؟ نبی کے جو حزقیاہ کو قید بابل سے ۱۵۰ سال پہلے سخت

لعنت ملامت کرتا ہے۔ اُس کے الفاظ سنو۔ ”رب الافواج کا کلام سُن۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں۔ کہ اب جو کچھ کہ تیرے گھر میں ہے۔ اور جو کچھ کہ تیرے باپ دادوں نے آج کے دن تک ذخیرہ کر رکھا ہے۔ اُٹھا کے بابل کو لے جائیں گے۔ خداوند فرماتا ہے۔ کہ کوئی چیز باقی نہ چھوٹے گی۔ اور وہ تیرے بیٹوں میں سے جو تیری نسل سے ہوں گے۔ اور تجھ سے پیدا ہوں گے۔ لے جائیں گے۔ اور وہ شاہ بابل کے قصر میں خواجہ سرا ہوں گے۔“ (یسعیاہ ۳۹: ۵-۷) پھر سنو کہ میکاہ نبی بھی اسی قید کی خبر دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اُس رہائی کا بھی جو اُس کے بعد واقع ہوگی ذکر کرتا ہے (میکاہ ۴: ۱۰) پھر اُن پیشین خبریوں کو دیکھو جن میں خبر دی گئی ہے کہ بابل ایک ویرانہ ہو جائے گا۔ اور نینوہ بالکل اُجاڑ ہو جائے گی۔ صور جال بچھانے کیلئے بطور چٹان کے ہوگا۔ اور اسرائیل تمام قوموں میں پراگندہ ہو جائیں گے۔ اور یروشلم غیر اقوام کے پاؤں تلے روندا جائے گا۔ کیا یہ باتیں فقط تیز فہم مورخوں کی محض دور اندیشی کی باتیں تھیں۔ یا کہ بائبل کے یہ الفاظ لفظی طور پر صحیح ہیں۔ کہ ”نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ آدمی خدا کی طرف سے روح القدس کی تحریک کے سبب بولتے تھے (۲ پطرس !!!)“

مگر ایسی پیشین گوئیاں جو محض قومی حالات کے متعلق تھیں۔ ایسی بہت اہم نہیں کہ ہم اُن پر یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہریں۔ اب ہم اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کی بنا پر دور دراز عرصہ سے وہ مسیح کے اُمیدوار و منتظر چلے آتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو بڑی احتیاط سے اس کتاب کو مطالعہ کرے گا۔ دیکھ لے گا۔ کہ سارے عہد عتیق کی نبوتوں میں ایک طلائی ڈوری کے طور پر یہ گہرا یقین پایا جاتا ہے۔ کہ خدا کے پاس اپنی کلیسا کے واسطے ایک اور بیش قیمت چیز موجود ہے۔ جو بنی اسرائیل کی معمولی شکستوں۔ اور فتحیابیوں قیدوں اور رہائیوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور جس کے

لئے یہ تمام واقعات ایک طرح سے راستہ تیار کر رہے ہیں۔ کم و بیش صفائی کے ساتھ یہ یقین ہر زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح اور کبھی نہ کبھی ایک کامل رہائی اور خلاصی اور خدا کے ساتھ زیادہ قریبی اور حقیقی اتحاد اور یگانگت حاصل ہوگی۔ اور خدا کی حضوری اور قربت خاص طور پر عیاں ہوگی کہیں کہیں ہم اس امر کے متعلق زیادہ صاف اور واضح پیش خبریاں بھی پاتے ہیں۔ کبھی تو ایک تخم یا نسل کا ذکر پڑھتے ہیں جو سانپ کے سر کو کچلے گا۔ اور جس میں دنیا کی ساری قومیں برکت پائیں گی۔ کبھی ایک نبی کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو موسیٰ کی مانند خدا کی طرف سے مبعوث ہوگا کبھی ایک بچہ کے پیدا ہونے یا ایک فرزند کے عطا ہونے کا ذکر پڑھتے ہیں جس کا نام خدائے قادر ابدی باپ۔ امن کا شہزادہ ہوگا۔ یا ایک راست باز خادم کا بیان پاتے ہیں۔ جس پر خداوند سب کی بدکاریاں لاد دے گا۔ کہیں ایک مسیح شہزادہ کا ذکر ہے۔ جو کاٹا جائیگا۔ مگر اپنے لئے نہیں۔ یا کسی شخص کا جو ابن آدم کی مانند ہے۔ جس کو ایک ابدی سلطنت بخشی گئی۔ ایک ایسی حکومت جو کبھی ٹل نہ جائے گی۔ کہیں ہم دوسری ہیکل کی شان و شوکت کا ذکر پاتے ہیں۔ جو پہلی ہیکل سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ الغرض اسی قسم کی بہت سی پیش خبریاں اس کتاب میں درج ہیں۔ اور یقیناً یہ ایک اور بھی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ یہودی اپنے کو دوسری اقوام سے بالکل الگ سمجھتے تھے۔ اور اس امر کے لئے بڑے غیرت مند بھی تھے۔ تو بھی اُس آنے والے مسیح کی نسبت یہ بھی اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ غیر اقوام کا نجات دینے والا بھی ہوگا: "کیا یہ کم ہے کہ تو یعقوب کے فرقوں کے برپا کرنے اور اسرائیل کے بچے ہوؤں کے پھرا لانے کے لئے میرا بندہ ہو؟ مگر میں نے تجھ کو غیر قوموں کے لئے بھی بطور نور کے بخشا ہے۔ کہ تیرے ذریعہ میری نجات زمین کے کناروں تک بھی پہنچے۔"

(یسعیاہ ۴۹: ۶)

لوگ جس طرح چاہیں کہ ان آیات کی تشریح کریں۔ مگر یہ ایک مانی ہوئی تاریخی بات ہے۔ کہ ان پیش خبریوں کے سبب سے یہودیوں کے درمیان کم وبیش صفائی کے ساتھ ایک سلطنت اور ایک مسیح کی جو کسی نہ کسی معنوں میں الہٰی ہوگا۔ ایک اُمید پیدا ہو گئی تھی۔ ہمیں صاف دل کے ساتھ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا ان باتوں سے ہم کسی قسم کی تشریح و تفسیر کر کے پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔ نکتہ چین لوگ جتنا چاہیں کتاب کے زمانۂ تحریر کی نسبت چھان بین کریں۔ مگر اس امر میں سے کوئی شخص کبھی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ وہ بہر صورت مسیح سے کئی سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر یہ پیشین گوئیاں اوپر سے نہیں آئیں۔ تو کہاں سے آئیں؟ کیا کوئی شخص انہیں پڑھ کر یہ کہنے کا حوصلہ کر سکتا ہے۔ کہ وہ محض مفروضہ باتیں تھیں جو اتفاقاً درست نکل آئیں؟ کوئی عقل مند آدمی تو ایسا کہنے کا نہیں۔ یقیناً کوئی مسیحی تو ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ہمارا خداوند اکثر انہیں پیش خبریوں کا حوالہ دیا کرتا تھا۔ کہ ضرور ہے کہ یہ سب باتیں "جن کا ذکر موسیٰ اور انبیا اور زبوروں میں اس کے حق میں لکھا ہے۔ پوری ہوں"۔

۶۔ اور آخر میں ہم اس عجیب و غریب یگانگت کا ذکر کرتے ہیں۔

جو ساری کتاب کے مختلف صحیفوں میں باہم پائی جاتی ہے۔ اور یہ دلیل بھی کسی طرح زور میں دوسری دلائل سے کم نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ کوئی بڑا استاد اس امر کی ہدایت نہیں کر رہا تھا۔ . . . . . تو ہمیں بتانا پڑے گا۔ کہ یہ کیونکر ہوا۔ کہ یہ مختلف صحیفے جن میں ایک دوسرے کے درمیان بعض صورتوں میں صدیوں کا وقفہ تھا۔ سب مل جل کر ایک کامل اور متحد کتاب بن گئی۔ یہی ایک بات ان کے الہامی ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ مرحوم ڈاکٹر ڈنکوٹ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "اگر یہ معلوم ہو کہ یہ نوشتوں کے ٹکڑوں کا مجموعہ جو سوائے چند کے

بغیر کسی باہمی تعلق کے خیال کے۔ اور پھر ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر اور نہایت ہی مختلف حالات کے درمیان لکھے گئے تھے۔ باوجود اس کے بھی باہم مل جل کر ایک ایسی مکمل کتاب بناد بنا ہے جو کسی دوسری کتاب کی صورت میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور پھر اس کے علاوہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مختلف اجزا جب تاریخی طور پر ان کی تشریح کی جائے۔ تمدنی اور رُوحانی زندگی کی ایک بتدریج ترقی کا نشان دیتے ہیں۔ جو کم سے کم اس لحاظ سے باہم متحد ہے۔ کہ اُس سب کا رُخ ایک ہی جانب کو ہے اور اگرچہ یہ سب کچھ بغیر کسی قسم کے ظاہری ارادہ اور بندوبست کے ہُوا ہے مگر پھر بھی اُس کے مبینہ واقعات کے باریک باریک تفصیلی امور میں بھی نہ صرف عجیب قسم کی مطابقت اور موافقت پائی جاوے۔ بلکہ تعلیمی مسائل کے درمیان میں بھی اتحاد و یگانگت ثابت ہو۔ اور اگر جس قدر کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی قدر وہ ایک ہی روح و مزاج سے معمور ثابت ہوں۔ تو اس صورت میں بلا تامل یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ خواہ وہ ابتدا میں کسی طرح ہی وجود میں کیوں نہ آئے ہوں۔ اور خواہ کسی صورت سے ایک ہی جلد میں جمع کیوں نہ کئے گئے ہوں۔ تو بھی اُن پر الٰہی مہر صاف صاف ثبت معلوم ہوتی ہے۔ جو اس امر کی شاہد ہے۔ کہ یہ نوشتے اُن معنوں میں "خدا کے الہام کئے ہوئے ہیں"؛ جو معنی ہم کسی دوسری کتاب کے حق میں نہیں لگا سکتے[1]"۔

ہم یہاں اس کتاب کے اس مختصر امتحان و تفتیش کو ختم کرتے ہیں۔ بیرونی تصدیق سے بالکل قطع نظر کر کے ہم نے پاک نوشتوں میں اُس اندرونی قدرت کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے جس کے زور سے وہ تین ہزار سال سے لوگوں کی زندگیوں پر قابض و حکمران رہے ہیں:۔

---

[1] بائیبل کلیسا میں صفحہ ۱۵۔

اس بیان میں ایک امر کے سوا ہم نے دیگر امور میں فقط عہدِ عتیق کے ادنے مکاشفہ ہی کو مدِّ نظر رکھا ہے۔ کیونکہ یہ عہدِ عتیق کے صحیفے ہی ہیں جن پر آج کل زیادہ تر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اور نیز اس لئے بھی کہ جو کچھ اُس کی اخلاقی اور روحانی عظمت کے بارہ میں درست و صحیح ثابت ہوگا۔ وہ بلاشبہ عہدِ جدید کی نوشتوں کے حق میں اُس سے بھی بڑھ کر صحیح ہوگا۔ اس ادنیٰ قسم کے مکاشفہ میں بھی باوجود اُس کے ظاہری نقصوں اور عیبوں کی ہمیں ضرورت سے زیادہ ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن سے ہم اُس قدرت کا جو وہ لوگوں کے دلوں اور ضمیروں پر رکھتا ہے۔ اور اندازہ لگا سکتے ہیں ؎

اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ عہدِ جدید میں یہ اپیل، زور و طاقت میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اور کہ آج کے دن تک کوئی قوم کوئی فرد واحد۔ اس قسم کا کوئی اعلیٰ اور بزرگ نمونہ دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکا۔ جیسا کہ اس کتاب میں دو ہزار سال ہوئے ایک نہایت تاریک زمانہ میں پیش کیا گیا تھا۔ تو بائیبل کے اور زیادہ امتحان کرنے کی کچھ بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہم کو بلا تامل اس کتاب کی ذاتی خوبی میں اس امر کی بین دلیل مل سکتی ہے کہ اُس کی زندگی اور قدرت کا کیا بھید ہے۔ اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ خود خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خواہ بائیبل کی نسبت لوگوں کے خیالات میں کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ واقع ہو جاوے تو بھی واقعات ہرگز ٹل نہیں سکتے ؎

۴

مسیح کی گواہی

جن امور پر اُوپر بحث ہو چکی ہے۔ وہ مسیحی اور غیر مسیحی دونوں کو اپیل کرتے ہیں۔ مگر یہاں میں صرف مسیحیوں کو مخاطب کرتا ہوں۔ اور اُس بڑی اور ناقابل جنبش بنیاد کا جس کی رُو سے ہر ایک مسیحی بائیبل کے الہٰی الاصل ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ اُن سے ذکر کرتا ہوں۔ اور

وہ یہ ہے۔ کہ اس سب کا مرکز خود یسوع مسیح ہے۔ وہ یعنی بائیبل اُس سے کسی طرح علیحدہ نہیں کی جا سکتی۔ وہ اس زندگی کے ساتھ ایسا مضبوط طور سے نہر علیحدا ہے کہ ہرگز جدا نہیں ہو سکتا۔

خدا کا مجسم ہونا ایک ایسا واقعہ نہیں ہے جو اُس کے ماقبل یا مابعد کی تاریخ کے ساتھ کچھ بھی تعلق یا واسطہ نہ رکھتا ہو۔ بلکہ وہ خدا کے اُن تاریخی ظہورات کی جو وہ انسان پر کرتا ہے اور جن کا عہدِ عتیق میں ذکر درج ہے۔ چوٹی کے طور پر ہے۔ اور بعد کے کامل ظہور کا جس کا ذکر عہدِ جدید میں ہے۔ ... منبع ہے۔ عہدِ عتیق اُس تیاری کا ذکر کرتا جو مسیح کی آمد کے لئے ہوتی رہی۔ عہدِ جدید بتاتا ہے۔ کہ جب تیاری تکمیل کو پہنچی۔ "تو وقت کے پورا ہوتے پر خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا"۔ یسوع گویا ان دونوں عہدوں کے درمیان کھڑا ہے۔ اور اپنا ہاتھ دونوں کے سر پر رکھتا ہے اس نے عہدِ عتیق کے نوشتوں ہی کی بابت لوگوں سے کہا تھا۔ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ اور اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ عہدِ جدید اس کے کلام اور افعال کی۔ اور رسولوں اور ابتدائی شاگردوں کی تعلیمات کی۔ جنہیں اس نے روح القدس کی قدرت میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا۔ کہانی بیان کرتا ہے۔ اور یہی بات کہ مسیح اُن کا مرکز ہے۔ مختلف صحیفوں کے ان دونوں مجموعوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کا باعث ہے۔ اُن کے تمام اجزا ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ عہدِ عتیق نامکمل ہے کیوں کہ وہ عہدِ جدید کا منتظر ہے اور عہدِ جدید بھی بجائے خود نامکمل ہے کیوں کہ وہ پیچھے پھر کر عہدِ عتیق کی طرف دیکھتا ہے۔

اِس لئے اس شخص کے لئے جو یقین کرتا ہے۔ کہ یسوع مسیح خدا ہے۔ بائیبل کا الہٰی الاصل ہونا ہمیشہ کے لئے سلامت ہے۔ خواہ اس کے الہام کے حق میں اُس کی رائے کیسی ہی کچھ تبدیل کیوں نہ ہو جائے۔

میں یہاں فقط چند ایک آیات کو نقل کرتا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کس طرح ہمارا خداوند عہدِ عتیق کی نسبت کہا کرتا تھا کہ وہ مُنزل مِن اللہ یعنی خدا کی دی ہوئی کتاب ہے۔ اور اس کی آمد کے لئے برابر وہ تیار کرتی رہی ہے۔

کیا تم اس سبب سے بھول نہیں پڑے ہو۔ کہ تم نوشتوں کو نہیں جانتے ہو" (مرقس ۱۲: ۲۴)

"یہ وہی ہیں جو میری گواہی دیتی ہیں۔" (یوحنا ۵: ۳۹)

"جتنی باتیں موسیٰ کی توریت اور نبیوں کی کتابوں اور زبور میں میری بابت لکھی ہیں۔ پوری ہوں۔" (لوقا ۲۴: ۴۴)۔

"یہ جو لکھا ہے اس کا میرے حق میں پورا ہونا ضرور ہے۔" (لوقا ۲۲: ۳۷)۔

"موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سب صحیفوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں۔ وہ سب اُن کو سمجھا دیں۔" (لوقا ۲۴: ۲۷)۔

"کیا تم نے نوشتوں میں نہیں پڑھا کہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا۔" (متی ۲۱: ۴۲)۔

یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے۔ کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں۔ جو تیرے سامنے تیری راہ درست کرے گا"۔ (متی ۱۱: ۱۰)۔

۵

اُس کی قدرت کی گواہی

اب میں اور کیا کہوں ؟ کیا میں پھر آپ کو یاد دلاؤں کہ ہر ایک شخص جس نے دل لگا کر بائیبل کا مطالعہ کیا ہے۔ اُس کا یقین اس کے حق میں کیا ہے۔ ایک عالم اس یقین کا اُن لفظوں میں ذکر کرتا ہے۔ کہ وہ "مجھے چھوڑتا نہیں"۔ لوگ اپنے ہی ذاتی تجربہ سے اس امر کو محسوس کرتے ہیں۔ کہ یہ کتاب خود اپنی آپ گواہ ہے۔ "خود روح بھی اُن کی روح کے ساتھ گواہی دیتا ہے" کہ یہ کتاب کتاب اللہ ہے وہ ایسا انہیں ڈھونڈ لیتی ہے۔ جیسے اور کوئی کتاب نہیں ڈھونڈ سکتی ۔ اُس کے الفاظ اُن کے دل میں گہری تحریک پیدا کرتے ہیں ۔ اس کی مدد سے وہ نیک بن جاتے ہیں۔ اُس نے ان کے ارادوں پر قابو پالیا ہے ۔ اور اُن کے دلوں کو خوشی و خرمی سے بھر دیا ہے یہاں

تک کہ وہ اس یقین سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس کتاب کی مانند کسی کتاب نے کبھی کلام نہیں کیا۔

کیا میں تمہیں یہ کہوں کہ تم اپنے چاروں طرف دنیا پر نظر کرو۔ اور اس معجزنما طاقت کو ملاحظہ کرو۔ جو بائبل کو حاصل ہے؟ کس طرح اس کی تاثیر سے بری زندگیاں درست ہوگئیں۔ اور شریف اور خوبصورت زندگیاں اس سے روزمرہ کی خوراک حاصل کرتی ہیں؟ کیا تم نے کبھی کسی اور تاریخی یا نظمی کتاب یا سوانح عمری یا خطوط کا ذکر سنا ہے۔ جن میں یہ طاقت ہے۔ کہ وہ لوگوں کو شرافت اور صداقت کی زندگی کی طرف مائل کرے۔ کیا تم نے کبھی کسی شخص کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ایک آوارہ مزاج اور بدچلن شخص تھا۔ اور اپنے خاندان کا ننگ تھا۔ یہاں تک کہ میں نے فلاں شاعر کی نظمیں اور فلاں مورخ کی تاریخ مطالعہ کی؟ کیا تم نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا ہے۔ کہ میں نے فلاں قدیم قصہ یا نظم کے مطالعہ سے اُمید اور اطمینان قلب اور بری عادتوں پر غالب آنے کی قوت حاصل کی؟

لیکن ایسے لوگ۔ جو بائبل کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ بہت ہیں۔ ہاں اُن کی تعداد ہزارہا ہزار ہوگی۔ تم دیکھ سکتے ہو۔ کہ حالاں کہ اُس کی پورے طور پر پیروی نہیں ہوتی توبھی اُس کے ذریعے سے کس قدر خوشی اور نیکی دنیا کو حاصل ہوئی ہے۔ تم یہ بھی دیکھ سکتے ہو۔ کہ اگر اس کتاب پر پورے طور سے عمل درآمد ہو۔ توبھی دنیا بہشت بریں بن جائے گی۔ دُکھ اور شرارت بالکل معدوم ہو جائیں گے۔ پاک دامنی اور محبت اور خود انکاری اس زمین پر سلطنت کریں گے۔ اور ست جگ کا زمانہ ابھی شروع ہو جائے گا۔

وہ کتاب جو اسی زمین پر آسمانی امن و خوشی کا نمونہ قائم کرنے کی قابلیت رکھتی ہے ضرور آسمان سے اتری ہوگی۔ وہ کتاب جس کے خوبصورت نمونوں کو کوئی آدمی کوئی قوم کبھی پورے طور پر نہیں پہنچ سکی یقیناً معمولی طور پر محض انسانوں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی

نہیں ہو سکتی +

میں نے مختصر طور پر چند خیالات ظاہر کئے ہیں۔ جن سے بہت لوگ زمانۂ حال کی بحث اور جھگڑوں میں قوت اور اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اپنے یقین کو بحال کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ایسی کتاب کی طرف سے بے چین ہو جائیں۔ جو اتنے طاقت ور طریقوں سے اپنے حق میں شہادت لے کر ہمارے پاس آتی ہے؟ کیا ہم اطمینان و تسکین قلب کے ساتھ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ سب باتیں جن کی خاطر ہم اس کتاب کی قدر کرتے ہیں۔ ہر قسم کے حملوں سے محفوظ ہیں۔ اور ہمیں الہام کے متعلق خواہ اپنے خیالات کو کتنا ہی تبدیل کرنا کیوں نہ پڑے۔ تو بھی ہم اس امر میں کبھی شک نہیں کر سکتے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے +

باب سوم

اِلہام کے بارہ میں مشہور عام خیالات

گذشتہ باب میں مَیں نے اِس غرض سے لکھا ہے۔ کہ اُس شخص کو جس کا دِل بے چین ہو رہا ہے۔ حوصلہ دلاؤں۔ یہ یاد دلا کر کہ الہام کے متعلق اُسے خواہ اپنے خیال کیوں نہ تبدیل کرنے پڑیں۔ تو بھی الہام بجائے خود ہر ایک قسم کے حملوں سے عملی طور پر بالکل محفوظ ہے۔ خواہ بائیبل میں اُسے کیسی ہی مشکلات کیوں نہ نظر آئیں۔ تو بھی یہ ممکن نہیں۔ کہ اُسے محض انسان کی بنائی ہوئی کتاب سمجھ سکیں۔ اور نہ کبھی اس امر میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے طور پر خدا کی طرف سے الہامی سمجھے جانے کے قابل ہے۔ جس طور پر ہم اور کسی کتاب کو نہیں سمجھ سکتے ۔

اس خیال کو مدِ نظر رکھ کر اُس شخص کو تمام مشکلات کا دلیری سے مقابلہ کرنے کی جراءت ہونی چاہیئے۔ میں یہ ہرگز اُمید نہیں کرتا کہ اس بات سے اُس کی تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ وہ صاف صاف معلوم کرلے گا۔ کہ وہ شخص جو الہام کا منکر ہے۔ اُسے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا ہے۔ بہ نسبت اس شخص کے جو اُس شخص پر یقین رکھتا ہے مگر تو بھی بائیبل کے الہامی ماننے کے متعلق جو اس کی مشکلات ہیں۔ ان سے خلاصی پانا۔ اس کے لئے مشکل ہو گا۔ وہ یہ کہے گا۔ کہ " یقیناً میں اس بات کو تو نہیں مان سکتا کہ بائیبل ایک معمولی قسم کی غیر الہامی کتاب ہے۔ تاہم اس بے اطمینانی کو بھی جو میرے دل میں اس کے الہامی ہونے کی نسبت ہے۔ دُور نہیں کر سکتا ہوں اس کتاب کے الہامی مصنفوں کے

ایسے اقوال پاتا ہوں جو یسوع مسیح کے مقرر کردہ معیار میں پورے نہیں اُترتے میں سنتا ہوں کہ اُس کے تاریخی بیانات میں اختلاف ہیں بعض باتوں میں وہ علوم جدیدہ کی فیصلہ شدہ باتوں سے مختلف ہے۔ اُس کے ابتدائی زمانہ کی اخلاقی تعلیم بالکل انگھڑت اور ناکامل ہے۔ اور خود صحیفوں کے اندر جنہیں میں خدا کے ہاتھ کی لکھے ہوئے خیال کرتا تھا۔ تالیف و ترتیب اور صحت و ترمیم کے نشان پائے جاتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ یہ باتیں سچائی کی روح کے الہام کے ساتھ مطابقت کھا سکیں؟

اب اگر کسی آدمی نے خود کسی طرح ان مشکلات سے پیچھا چھڑا لیا ہے۔ تو وہ ان تمام منزلوں پر جن کے ذریعہ سے درجہ بدرجہ اس سوال کو حل کر کے موجودہ اطمینان حاصل کیا۔ دوبارہ نظر ڈالتے وقت جلدی جلدی اُس پر سے گذر جانا چاہتا ہے لیکن اگر وہ دوسرے کے دل میں بھی وہی یقین پیدا کرنا چاہتا ہے تو مناسب ہے کہ وہ صبر اطمینان کے ساتھ اسی راستہ پر اپنے ہمراہی کی رہنمائی کرے۔ اس قسم کے ذہنی مشغلوں میں چھوٹی پگ ڈنڈیاں ہرگز تسلی بخش ثابت نہیں ہوتیں۔

میں پہلے باب میں اس امر کا ذکر کر چکا ہوں کہ جب کسی شخص کے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ تو اُس کے دینداردوست عموماً اس کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ آیا اس کی مشکلات کے ساتھ اور کسی طور سے سلوک کرنا ممکن ہے یا نہیں جس سے درحقیقت اُس کو اس حالت تک پہنچنے میں مدد ملے۔ جہاں سے وہ ٹھنڈے اور مطمئن دل کے ساتھ الہام کے مسئلہ پر بذات خود غور کر کے اُسے حاصل کر سکے۔

کیا یہ بے چینی گناہ ہے؟

یہ کہ عام طور پر مانی ہوئی بات ہے۔ کہ مذہبی شکوک اور بے چینی ہر صورت میں گناہ

یا بدی نہیں سمجھی جانی چاہیئے۔ مگر تو بھی ایک ایسی سچائی ہے جو ہر ایک شبہ میں پڑے ہوئے آدمی کے سامنے بار بار بڑے زور سے دہرائی جانے کی حاجت مند ہے اگر کسی آدمی کے دل میں شبہات پیدا ہوں۔ بشرطیکہ وہ شبہات صاف دلی اور نیک نیتی سے پیدا ہوئے ہوں۔ تو اسے بھی ایسی ہی خدا کی بخشش سمجھنا چاہیئے۔ جیسے کہ یقین و ایمان کو سمجھا جاتا ہے۔ اور ضرور ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے بھی آخر کار نیک نتیجہ نکلے۔ انگلستان کے مشہور شاعر ٹینسن کا یہ قول بالکل حق ہے کہ

"میری بات کو یقین مانو کہ اُس شک میں جو نیک نیتی پر مبنی ہو۔ زیادہ ایمان کو دخل ہے۔ بہ نسبت دنیا کے آدھے عقائد کے ناموں کے"۔

اور بعض ایسے اوقات بھی زندگی میں پیش آتے ہیں جب کہ ایسے شکوک کو اپنے سے دور رکھنا اُلٹا گناہ ہوگا۔ ایسے بے چین آدمیوں کی صورت میں جن کو میں مخاطب کر رہا ہوں۔ بائیبل کی نسبت اس قسم کی بے اطمینانی ممکن ہے۔ کہ رفتہ رفتہ اور بھی ترقی کرتی جائے۔ اور آخر کار وہ مذہب اور خدا کی نسبت ہر ایک قسم کے یقین و اعتقاد کو خیرباد کہہ بیٹھیں تحقیقات سے بھاگنا شک و شبہ کو ترقی دینا ہے جو شکوک خود بخود دل میں پیدا ہو جائیں۔ وہ کسی طور سے گناہ سمجھے جانے کے لائق نہیں ہیں۔ بھلا وہ بات کس طرح گناہ ہو سکتی ہے۔ جس سے آدمی کو چارہ نہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں شکوک نہیں ستاتے۔ مگر زیادہ مبارک ہیں۔ وہ لوگ جو شک اور تاریکی میں سے گذر کر سچائی کی اعلیٰ معرفت کو حاصل کرتے ہیں۔ ہم سچے دل سے یہ یقین کرتے ہیں۔ کہ وہ لوگ جو عاجز دل اور نیک نیت کے ساتھ سچائی کی تلاش میں مشغول ہیں خواہ اُس کے سبب ان پر کچھ ہی وارد کیوں نہ ہو۔ اس سچائی کے دریافت کرنے میں خدا ان کی ضرور مدد کرے گا۔ اور اگر بالفرض

وہ اس تک نہ کبھی پہنچیں تو ضرور اُن کی خطا کو معاف کرے گا۔ ایک قدیمی مصنف لکھتا ہے کہ "اگر سچائی کے لئے ہر طرح کی محنت و کوشش کرنے کے بعد ہم ایسی باتوں میں جن کی بابت پاک نوشتے صاف صاف تعلیم نہیں دیتے غلطی میں پڑھ جائیں۔ تو اس میں کچھ بھی خطرو اندلیشہ نہیں۔ وہ جو غلطی کھاتے ہیں اور وہ جو غلطی نہیں کھاتے دونوں نجات پائیں گے"۔ چلنگورتھ۔

۲

سوتے کتّوں کو سونے دو

اِس لئے ہر ایک کا فرض ہے۔ کہ اس امر کی سچّائی میں جس سے بے چینی پیدا ہوئی۔ بڑے ادب سے مگر بے خوف ہو کر تفتیش و جستجو کرے۔ خدا کے نزدیک سچائی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سچائی خدا سے ہے۔ خواہ اس سے ہمارے اندر بے چینی پیدا ہو یا نہ ہو۔ اور اگر ہم کو سچائی پر اور خدا پر یقین ہے۔ تو آخر کار اس بے چینی ہر گز پیدا نہ ہو گی ؁

اِس لئے اس قول پر کہ "سونے کتّوں کو سونے دو"۔ کبھی قناعت نہ کرو کیوں کہ اوّل تو یہ ایک بڑی کمینہ بات ہو گی۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ تم خدا پر اور سچائی پر حقیقی ایمان نہیں رکھتے مگر ساتھ ہی یہ ایک خوف ناک بات بھی ہے۔ کیوں کہ اکثر یہ کتّے خدا کے پہرہ دار کتے ہیں۔ تاکہ تمہیں اس امر سے خبردار کرتے رہیں۔ کہ تمہارے ایمان و اعتقاد لیں سڑا دینے والی باتیں شامل ہوتی جاتی ہیں۔ اگر تم انہیں خاموش کرنے کی کوشش کرو گے۔ اور انہیں سونا رہنے دو۔ تو تمہیں ایک نہ ایک دن معلوم ہو گا۔ کہ تمہارا ایمان بالکل زنگ آلودہ ہو گیا۔ اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ اور اس کے علاوہ خود تمہارے دلی اطمینان کے لحاظ سے بھی اُن

سے ایسا سلوک کرنا سخت حماقت کی بات ہے۔ اگر تمہارا ننھا بچہ بیجا کے خوف سے تاریک جگہ میں جانے سے ڈرتا ہے۔ تو وہ جب کبھی اُس جگہ کے پاس سے گذرے گا۔ ہمیشہ ڈرا کرے گا۔ لیکن اگر تم اس کے ساتھ جا کر اس چیز کو باہر روشنی میں کھینچ لاؤ تو وہ دیکھ لے گا۔ کہ وہ بیجا نہیں۔ بلکہ سفید چادر کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ اور اگر تم بھی اسی طرح بائیبل میں کسی بیجا سے ڈرتے ہو جو تمہارے دِل میں ہمیشہ اُس کی طرف سے خوف بیٹھا رہے گا۔ جب تک کہ تم دلیری کے ساتھ اُسے روشنی میں نہ لاؤ گے۔ شائد اس سے تم کو یہ فائدہ پہنچے کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا اعتقاد تصحیح و ترمیم کا حاجت مند ہے۔ یا ممکن ہے۔ کہ جب اپنے سے بہتر اور دانا آدمی کی مدد سے تم اُس پر نظر کرو۔ تو وہ بالکل وہی بات ثابت ہو۔ اور اس طور سے اُس سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے۔ خیر خواہ کچھ ہی ہو۔ اُسے روشنی میں کھینچ لاؤ۔ اور جہاں تک تمہارا بس چلے کبھی سوتے کتوں کو سوتے رہنے مت دو۔ وہ اپنی نیند میں بھی بھونک بھونک کر تمہیں ہمیشہ بے آرام کرتے رہیں گے۔ اور ممکن ہے کہ کسی نہ کسی دن وہ اٹھ کر تمہیں چیر پھاڑ ڈالیں؛

۳

عُلماء کا اعتماد

جب آدمی کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی بے چینی بری بات نہیں۔ بلکہ اچھی بات ہے۔ اور اُسے اس قدر شیطان کی آزمائش نہیں سمجھنی چاہیئے۔ بلکہ یہ جاننا چاہیئے۔ کہ وہ خدا کا طریق ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ سچائی کی تعلیم دیتا ہے تو اس کے علاوہ ارادہ اور یقین کی بحالی اس امر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ بڑے بڑے علماء اور علم الٰہی کے جاننے والے جن کی اعلیٰ دینداری میں کسی کو شبہ

نہیں۔ سالہا سال سے ان باتوں سے جو تمہیں بے چین کر رہی ہیں واقف وآشنا ہیں مگر اُنہیں کبھی ان کے سبب سے کوئی پریشانی یا اضطراب نہیں ہوتا۔ خواہ کوئی اس امر کی حقیقت کو سمجھ سکے یا نہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ دیکھ کر کہ ایک شخص بائبل کا نہایت قابل اور گہرا نکتہ چین بھی ہے مگر ساتھ ہی اس کے اس کی تعلیم میں کامل اعتقاد رکھتا اور اُسے خدا کی الہام ہوئی کتاب سمجھتا ہے۔ ضرور انسان کا یقین و اعتقاد تر و تازہ اور مضبوط تر ہوجانا چاہیئے۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جب ہم ایسے اشخاص سے زیادہ گہری واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جس قدر زیادہ گہری تحقیقات کی اور بائبل کو باریک نظر سے مطالعہ کیا۔ اسی قدر پہلے کی نسبت اُن کا خیال بائبل کی عظمت اور شرافت اور خدا کی الہامی کتاب ہونے کے متعلق زیادہ وسیع ہوگیا۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے مسائل کو جو اُنہیں اس کے الٰہی الاصل ہونے کے اعتقاد سے روکتے تھے اُٹھا کر پھینک دیا ہے۔ انہوں نے سچائی کی تلاش کی اور سچائی نے اُنہیں بالکل آزاد کر دیا ہے ؀

۴

رنگدار عینک کے ذریعہ بائبل پر نظر کرنا

دوسرا قدم اس بے چینی کے دور کرنے کے لئے یہ ہوگا۔ کہ اب ہمیں شبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ کہ شائد کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ الہام نہیں جو معرض خطر میں ہے بلکہ وہ مسائل جو لوگوں نے اس کے متعلق گھڑ رکھے ہیں۔ انسانی خیال کی تاریخ میں مشکل سے کوئی بات ایسی عجیب و غریب معلوم ہوگی۔ کہ کس طرح ذی عقل و ہوش آدمی بھی نسلاً بعد نسلٍ بائبل کے متعلق اپنے ہی لیے بنیاد مسائل

قائم کر کے اُن پر جمے رہتے ہیں۔ بلکہ اس امر پر اصرار کرتے ہیں کہ جو بے ہودہ خیالات
وہ بائبل کے الہام کی نسبت رکھتے ہیں۔ وہی حق ہیں۔ انہوں نے اپنے
لئے ایک قسم کی رنگ دار عینکیں ایجاد کر لی ہیں۔ اور انہیں کو لگا کر بائبل کو پڑھتے
ہیں۔ وہ انہیں عینکوں کو پشت در پشت اپنے بچوں کی آنکھوں پر بھی لگاتے
رہے ہیں۔ جس کا طبعی نتیجہ یہ ہے۔ کہ وہ رنگ اب بائبل کا حقیقی رنگ سمجھا
جانے لگ گیا ہے۔ اور اس سے طرح طرح کے سلوک اور جھوٹے خیال اور بے
چینی پیدا ہو گئی ہے۔ اس بات سے آدمی کے دل پر سے ایک بوجھ سا اٹھ جاتا ہے
جب اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بائبل نہیں بلکہ رنگ دار عینک ہے۔ جسے اُتار
پھینکنا چاہیئے۔ اور جب اس کتاب کو اس قسم کے خیالات کو بالائے طاق رکھ کر
مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو سخت سے سخت مشکلات اور بے چینی فی الفور
دُور ہو جاتی ہیں ؛

اگر اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے تو مجھے یقین ہے۔ کہ بائبل کے اعتقاد کے
متعلّق سب سے بڑے خطرات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بے دین آدمی اور اُن کے
سامعین بھی بچپن سے انہیں رنگین عینکوں کے وسیلے بائبل کو پڑھنے کے
عادی رہے ہیں۔ اور نہ وہ اور نہ یہ اس خیال کے سوا جس کے وہ بچپن سے عادی
ہو رہے ہیں۔ اور کسی نئے خیال کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس بے دین لکچر
دینے والے کی دلائل بڑی بر زور اور قائل کرنے والی معلوم دیتی ہیں۔ اور اس کے سامعین
کے دل بھی اُن کو قبول کرنے کو پہلے ہی سے تیار ہیں ؛

اس رنگ کی کتاب خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔
بائبل یقیناً اسی رنگ کی کتاب ہے۔
اِس لئے بائبل خدا کی طرف سے نہیں ہے۔

اور ایسے نتیجہ پر پہنچنا لازمی امر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اُسے یہ بتادے کہ آپ برائے مہربانی یہ عینک اتار ڈالیئے۔ اور تب اس کی تمام دلائل اور لوگوں کی بےچینی یک قلم ہوا ہو جاتی ہیں؛

۵

الہام کے متعلق مشہور عام خیالات کی خطرناک حالت

جب یہ سوال کیا جاتا ہے۔ کہ اگر الہام ایسی بین بات ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ لوگوں کو اس کے ماننے میں اس قدر مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس لئے کہ انہوں نے خود وہ مشکلات اپنے راستہ میں پیدا کر رکھی ہیں۔ انہوں نے الہام کی جگہ اس بارہ میں بعض ایسے عام تصورات پیدا کر رکھے ہیں۔ کہ الہام کیا کچھ ہونا چاہیئے۔ انہوں نے بلا کسی سند کے یہ فرض کر لیا ہے۔ کہ اگر خدا بائبل کو الہام کرے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ اُسے ایک خاص طور پر جو ان کے نزدیک معقول اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ الہام کرتا۔ ضرور ہے کہ اس کے الفاظ بھی الہامی ہوں۔ یا ضرور ہے کہ وہ بالکل نقص و غلطی سے مبرا ہو۔ یا اس کی زبان اور طرز تحریر ہر قسم کے عیب سے پاک ہونی چاہیئے۔ یا اس کی مذہبی تعلیمی امور کے متعلق شروع ہی سے کامل ہونی چاہیئے۔ اور بہر صورت وہ ایسی اور ویسی ہونی چاہیئے۔ جیسا ان کی رائے میں ایک کتاب کے لئے جو خدا کی طرف سے الہام ہو۔ ہونا ضروری ہے۔

خدا نے انہیں اس قسم کی کوئی بات نہیں بتائی۔ مگر یہ اُن کا اپنا خیال ہے۔ کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ اُن کی یہ غلطی قابل معافی ہے۔ کیوں کہ وہ اُس محبت آمیز ادب و عقیدت سے جو وہ بائبل اور اُس کے دینے والے خدا کی نسبت رکھتے تھے پیدا ہوئی

مگر تو بھی وہ غلطی ہی ہے۔ اور اس کے سبب سے بائیبل کو بہت کچھ نقصان پہنچا ہے ؀

لوگ اسی قسم کی باتیں اپنے بچوں کو بھی سکھاتے رہے ہیں۔ کہ الہام و مکاشفہ کے یہی معنی ہیں۔ رفتہ رفتہ جب یہ بچے بڑے ہوتے ہیں۔ تو اس کتاب کے بعض حصوں میں ایسی ایسی باتیں پاتے ہیں۔ جو ان خیالات کے مطابق اُترتے میں قاصر رہتی ہیں۔ تب وہ فی الفور اس کتاب کے الہامی ہونے پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ پہلے اس بات کو دیکھیں کہ جو تعریف الہام کی انہیں بتائی گئی تھی وہ تو غلط نہیں ہے۔

الہام کو الہام کے مشہور عام خیال کے ساتھ خلط ملط کر دینے سے وہ تمام غلط خیال پیدا ہوئے ہیں۔ جو ایمانداروں اور بے ایمانوں میں مروّج ہیں ان تمام حملوں کا جو ملحدین نے بائیبل پر کئے ہیں۔ مطالعہ کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ کیوں کہ ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان اعتراضوں میں سے $\frac{9}{10}$ محض اُن خیالات پروردہ ہوتے ہیں۔ جو عوام الناس میں مروج ہیں۔ اور جنہیں تعلیم یافتہ مسیحی مدت سے ترک کر چکے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ دیکھ کر کہ بعض بھلے آدمی ان بیہودہ خیالات کی بڑی سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ حمایت کر رہے ہیں۔ گویا کہ خود مذہب کی بنیاد انہی سچائیوں پر رکھی ہوئی ہے۔ سخت افسوس آتا ہے ؀

لوگوں کے لئے یہ امر کیسا تسکین بخش اور تسلّی دہ ہو گا۔ اور اگر اُن پر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ محض بعض مسیحیوں کے توہمات باطلہ ہیں۔ جو وہ بائیبل کی نسبت رکھتے ہیں۔ جو اس ساری بے اطمینانی کے لئے جو لوگوں میں پھیل رہی ہے۔ جواب دہ ہیں۔ اور دشمنوں کا قریباً ہر ایک حملہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔

لوگوں کے اس بے بنیاد یقین سے کہ فلاں فلاں باتیں بھی الہام کی تعریف میں داخل ہیں۔ اپنی قوت حاصل کرتا ہے ؞

اے ناظرین!

اگر یہ بات سچ ہے۔ تو کیا بائیبل کے متعلق ہماری سخت سے سخت مشکلات کا فی الفور خاتمہ نہیں ہو جائے گا؟ کوئی آدمی سورج کے داغوں کو دیکھ کر اس کی طرف سے دل برداشتہ نہیں ہو جائے گا۔ اور نہ کسی عمدہ تصویر پر کہیں کہیں کسی گوشہ میں ذرا سا خراش دیکھ کر اس کا لطف اٹھانے سے انکار کرے گا۔ اسی طرح کوئی صادق دل آدمی جو پاک نوشتوں کے عجیب و غریب حسن و خوبصورتی پر نظر کرتا ہے۔ اُن ذرا ذرا سے نقصوں کا خیال بھی دل میں نہ لاتا اگر اُس کے سامنے اِس قسم کے خیال پیش نہ کئے جاتے کہ (جیسا کہ عوام میں یہ مشہور ہو رہا ہے) اس کتاب میں کسی ایسے نقص کا دکھائی دینا اُس کے در حقیقت خدا کی طرف سے ہونے کے خلاف ہے۔ اُسے یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ ایسے نقص ہرگز اُس میں موجود نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں ایسے نقص تمہیں نظر بھی آئیں۔ تو اپنی آنکھوں کی شہادت کا کبھی یقین نہ کرو۔ بھلا جو کتاب آسمان سے اتری ہو۔ اس میں ایسے نقص کب ممکن ہیں؟

کیا اس سے انسان کے دل کو تقویت حاصل نہیں ہو گی۔ اگر اس پر ثابت کر دیا جائے کہ اس قسم کی تعلیم محض باطل اور غلط ہے؟ بائیبل آسمان پر سے بنی بنائی نیچے نہیں گری۔ اور نہ وہ جیسا کہ پُرانے مطلا نسخوں میں تصویریں کھینچی ہوئی نظر آتی ہیں طلائی نسخوں سے جنہیں فرشتے آسمان پر لئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ نقل کی گئی ہے۔ اِسے آدمیوں نے لکھا۔ البتہ یہ سچ ہے۔ کہ وہ آدمی خدا کی طرف سے ملہم ہوئے تھے۔ مگر تو بھی وہ انسانی دل اور انسانی کمزوریاں اور انسانی خدمات رکھنے والے آدمی تھے۔

اور یہ بالکل طبعی طور پر لکھی گئی ۔ اور جس طرح ہم لکھتے وقت اپنے ہاتھ اور دل اور دماغ کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے لکھنے والوں نے کیا ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ خدا کی طرف سے اُتری مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اِسی دنیا کی روحانی ہدایت کے لئے الہام کیا۔ اور ایک شرافت بخش اثر اور آلہٰی تعلیم اِس سے صادر ہوتی تھی۔ مگر اس امر نے کہ وہ خدا کی طرف سے الہام ہوئی اس زندہ انسانی کتاب کو محض ایک مردہ اور گلٹ کئے ہوئے بت میں تبدیل نہیں کر دیا۔ البتہ ہم نے ضرور اُسے ایسا بنا دیا ہے۔ ہم نے مختلف نوشتوں کو جو تاریخ، نظم ڈرامہ، خط، نبوت، تمثیل کی صورت میں مختلف الطبائع مصنفوں کے ہاتھ سے مختلف مدارج سے لکھے گئے تھے۔ ایک جلد میں باندھ دیا ہے۔ اور خواہ مخواہ اُن میں ایک قسم کی پہچان یگانگت داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ زندہ کلاموں کا مجموعہ جو ہمارے استعمال کے لئے دیا گیا تھا ہم نے اُسے پرستش کے لئے ایک بُت میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہم نے ہر ایک خوبی جو ہمیں عمدہ معلوم ہوئی اس کی طرف منسوب کر دی ہے۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ آیا ایسا کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ بھی ہے یا نہیں۔ اس میں جہاں کہیں کوئی علوم یا تاریخ کا اشارہ پایا جاتا ہے اس کے لئے خدا کو ذمہ دار ٹھیرا دیا ہے۔ نہیں بلکہ مصنفوں کے ناموں کے لئے بھی جو شروع کتاب میں درج ہیں۔ الٰہی سند پیش کرتے ہیں۔ اس طور سے بجائے اس کے کہ ہم ایسی شریف الہامی کتاب کا عقلمندوں کی طرح ادب و عزت کریں ہم نے اس کی ایسے طور پر پرستش کی جیسے احمق لوگ ایک بُت کی کرتے ہیں۔ وہ ایمان جسے بائیبل کی روح کو اپنے میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ اب حروف اور الفاظ کی باطل پرستی میں حرج ہو رہا ہے ؀

تواریخ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ انسان جن

چیزوں کی عزت وادب کرتا ہے۔ اُن کا آخر کار یہی حال ہوتا ہے۔ یہودیوں کے ربی لوگ موسوی تحریروں کی ایسی عزت کرنے لگ گئے کہ آخر کار کہہ اُٹھے کہ خدا نے خود آسمان سے یہ کتابیں لکھی ہوئی موسیٰ کے حوالہ کی تھیں۔ نہیں بلکہ یہ کتاب ایسی کامل اور الٰہی صفات سے موصوف تھی کہ خود یہوداہ خدا لئے قادر اس کے مطالعہ میں ہر روز تین گھنٹے صرف کیا کرتا تھا۔ محمدی لوگ بھی اپنے قرآن کی بابت کہتے ہیں۔ کہ اُسے براہ راست جبرائیل فرشتے نے اصل نسخہ سے جو آسمان میں محفوظ ہے۔ محمدؐ صاحب کو سکھایا تھا۔ وہ بالکل کامل اور بے نقص عربی زبان میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اور اس کا ہر ایک حرف خدا سے ہے۔ وہ ہر طرح کی خطا و نقص اور سہو و نسیان سے مبرا ہے۔ اور جو باتیں اس میں درج ہیں ان میں ہرگز کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کا اٹل فیصلہ ہے اور کہ وہ ہر زمانہ میں ہر طرح کے نقص سے اور نقل کرنے والوں کی غلطی سے محفوظ رہا ہے۔ اور خود خدا اس کا محافظ و نگہبان ہے ؎

اے ناظرین۔ آپ کہیں گے کہ یہ سب وہم و خیال ہے۔ اور ان دعووں کا کوئی بھی ثبوت موجود نہیں۔ یہ تو سچ ہے۔ مگر کیا اِس سے اُس انسانی میلان کا پتہ نہیں چلتا۔ کہ وہ جس کی عزت وادب کرتا ہے۔ اُس کو کس پایا تک پہنچا دیتا ہے۔ اور کیا اس سے ہمارے لئے سبق نہیں ہے کہ ہم بائیبل کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرنے سے خبردار ہیں ؎

میں کہتا ہوں۔ کہ ہم نے بھی بائیبل کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے۔ ہم بھی قریباً اس کے حق میں یہی سب باتیں کہہ گذرے ہیں۔ ہم موسیٰ اور متی اور پولوس کے واسطے وہ وہ حقوق طلب کرتے ہیں۔ جو شاید کبھی ان کے وہم و خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ شاید ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم ان باتوں کو اُن سے بہتر سمجھتے ہیں۔ مگر اس

قسم کے باطل توہمات کے ذریعہ ہم نے اس کتاب کی فطرتی حسن و خوبصورتی کو گنوا دیا ہے اور ہم نے اس کتاب کو اپنی حماقت سے دشمنوں کے حملوں کے لئے نشانہ بنا دیا ہے۔ کہ بچہ بچہ بھی اگر چاہے تو اس پر ملحدانہ حملہ کرنے کے لئے میدان کھلا پاتا ہے ٭

میں پھر کہتا ہوں۔ کہ میرے نزدیک یہ امر بھی بہت ہی فائدہ بخش ہوگا۔ اگر ہم لوگوں کے ذہن نشین کر دیں۔ کہ اُن بوجھوں کے لئے جو لوگوں نے اُس کی گردن پر باندھ رکھے ہیں۔ بائیبل جوابدہ نہیں ہے۔ اس سے ہم دشمنوں کے حملوں کے درمیان بے چین نہیں ہوں گے۔ اور یقیناً ہم اس امر کے لئے مصمم عزم باندھنے پر آمادہ ہوں گے کہ جہاں تک ہو سکے۔ جلد اس قسم کی باطل توہمات کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اور خدا کے ان پاک اقوال کی نسبت پر ادب مگر معقول اعتقاد رکھنے میں آزادی کے ساتھ ترقی ہو ٭

۶

ایک تحدّی

اور اب اے ناظرین۔ پیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں کہ ہم "الہام" کے اُن مشہور عوام خیالات میں سے اُس خیال کو جس نے سب سے بڑھ کر خرابی پھیلائی ہے بیان کر دیں۔ اور ساتھ ہی اِس کے اُس کے مویدوں کو مدعو کریں۔ کہ اگر یہ صحیح ہے۔ تو اُس کا ثبوت پیش کریں۔ اب تک ہم نے صرف عام طور پر اُن کا ذکر اِن ناموں سے کیا ہے کہ وہ مشہور عوام یا روایتی خیال ہیں۔ اب ہم دلیرانہ اِن میں سے ہر ایک خیال کا فرداً فرداً مقابلہ کریں گے۔ اور جو جو ہمیں سچائی کے مخالف نظر آئے گا۔ اُسے بلا تامل مار گرائیں گے۔ تاکہ بائیبل اُن کے ضرر سے محفوظ ہو۔ اور ہمارے بے چین دوستوں کو اطمینان قلب نصیب ہو ٭

۱۔ لفظی الہام کا وہ مسئلہ ہے۔ جو یہ سکھاتا ہے۔ کہ خدا کی کتاب مقدس کے صحیفوں کا مصنف ہے۔ انہیں معنوں میں جیسے عموماً کوئی شخص کسی کتاب کا مصنف ہوا کرتا ہے۔ اور ہر ایک باب، آیت، لفظ بلکہ حرف بھی براہ راست اُسی کا لکھا ہوا ہے:

۲۔ الہام میں جو انسانی عنصر کا بڑا حصہ ہے۔ اُس سے اِنکار کرنا:

۳۔ یہ یقین کہ ضرور ہے۔ کہ الہام شدہ بائبل بالکل ہر نوع کی سہو و خطا سے مبرّا ہو۔ خواہ تفصیلی امور میں خواہ دنیاوی واقعات کے متعلق امور ہیں:

۴۔ یہ کہ الہامی کتاب کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کسی زمانہ میں بھی ناکامل یا ناشائستہ نہیں ہو سکتی:

۵۔ یہ کہ کسی کے ترتیب دینے یا اصلاح کرنے یا مصنّف کے نام میں غلطی کرنے سے کسی کتاب کے الہامی ہونے میں نقص عائد ہوتا ہے:

یہ پانچ مختلف خیالات ہم اس وقت منتخب کرتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک غلط ہیں۔ اور اس لئے ہم ان میں سے ایک ایک کی تردید کر کے دکھائیں گے۔ کہ ان خیال کے مویدوں کے پاس کوئی شہادت ان کی تائید میں موجود نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہے۔ سو اُن کا اپنا ہی وہم و خیال ہے:

پہلا خیال تو آگے ہی قریباً مر چکا ہے۔ اور اس لئے موئے کو مارنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر دوسرے خیال ذرا سخت جان ہیں۔ اور بہت سے مسیحیوں کے دل میں اب بھی انہیں جگہ حاصل ہے:

وہ آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے ہمارے سامنے آئیں گے۔ لیکن اس وقت ہم صرف ان پر سرسری نظر کرتے ہیں۔ اور اس باب کو ختم کرنے سے پہلے فقط

ایک ضرب لگائیں گے۔

۷

کیا الہام کی کسی خاص تعریف کو ماننا ہم پر لازم ہے ؟

لیکن شاید کوئی ہم سے پوچھے کہ کیا ان عقائد کو ماننا مجھ پر فرض نہیں ہے کیا الہام پر اعتقاد رکھنے سے مجھ پر یہ ماننا لازم نہیں ٹھہرتا کہ بائیبل کے تاریخی واقعات کا ہر ایک بیان معجزانہ طور پر ہر ایک قسم کے سہو یا غلطی سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور کہ اس کے لکھنے والے علم ہیئت یا علم الارض کے متعلق ہر قسم کی غلطی کھانے سے محفوظ تھے۔ اور کہ بائیبل کی ہر ایک کتاب کی یکساں قدر و قیمت رکھتی ہے۔ کہ الہامی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ مذہب یا اخلاق کے متعلق ناقص تعلیم دے کہ ہر ایک لفظ کو اس کے صاف اور ظاہری معنوں میں لینا چاہیئے۔ اور کہ ایسی کہانی جیسے کہ ایوب کا معاملہ اور شیطان کا خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ لفظی طور پر درست واقعہ ماننا چاہیئے۔ کیوں کہ ممکن نہیں کہ خدا مذہبی سچائیوں کی تعلیم کے متعلق ایک محض شاعرانہ خیالی نظم و ناٹک الہام کر دیتا۔

اِن سب سوالوں کے جواب میں میں کہوں گا۔ کہ ہرگز نہیں ان سوالات پر غور و بحث کرتے ہوئے تم خواہ کسی نتیجہ پر کیوں نہ پہنچو۔ تاہم اس سے تمہاری بائیبل کے الہامی ہونے کے یقین پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

جیسا کہ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے۔ کہ الہام بائیبل کے متعلق مسیحی دین اس قسم کے عقاید رکھنے کا ذمہ اٹھا چکا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی عقیدہ قابل اعتراض ثابت ہو۔ تو اس کے ساتھ ہی بائیبل کے الہامی ہونے کا بھی خاتمہ ہو جائیگا نہیں۔ بلکہ خود مسیحی دین بھی معرض خطر میں ہوگا۔

مگر پہلے یہ بتائیے کہ یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ الہام کی یہ تعریف ہونی چاہیئے۔ کہ وہ ان مذکورہ بالا ساری باتوں کا بیڑا اٹھائے ہرگز کہیں نہیں لکھا؛

بائیبل میں ایسا ہرگز کہیں نہیں لکھا۔ اگرچہ یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہو لیکن اگر آپ ذرا بھی غور و فکر کریں گے۔ تو آپ پر ثابت ہو جائے گا۔ کہ بائیبل کہیں کسی مقام پر کبھی بھی یہ نہیں بتاتی کہ الہام کی کیا تعریف ہے۔ درحقیقت بائیبل اپنے الہام کے متعلق سوائے اس کے کہ وہ اُس کا دعویدار ہے۔ کہیں بھی اور کچھ بھی نہیں بتاتی اور اس کی حقیقت اور وُسعت کے بارے میں اور اس امر میں کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے میں کیا کیا باتیں شامل ہیں غور و فکر اور فیصلہ کرنا وہ ہماری عقل و دانش پر چھوڑ دیتی ہے؛

اور پھر یاد رہے کہ مسیحی کلیسیا نے بھی جو پاک نوشتوں کا شاہد اور محافظ ہے۔ اس بارہ میں اپنے بچوں کے لئے کوئی خاص قانون نہیں ٹھہرا دیا۔ موجودہ بے چینی کے زمانہ سے جب ہم پیچھے کو نظر کرتے ہیں۔ تو ہم اس دائمی الٰہی راہنمائی کا جس کا کلیسیا سے وعدہ کیا گیا ہے برابر صاف صاف کھوج پاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مختلف زمانوں میں الہام کی نسبت لوگوں کے مختلف خیالات تھے کبھی ادنیٰ تھے۔ کبھی اعلیٰ۔ کلیسیا کے لئے کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہوگی۔ کہ آیندہ نسلوں کے لئے ایسے اہم معاملہ پر ایک نا تبدیل قانون چھوڑ جائے۔ حالاں کہ یہ مسئلہ اُن کئے گھیرے مسائل سے جن کے حل کرنے کے لئے کونسلوں نے مختلف زمانوں میں اپنی ساری طاقت خرچ کر دی۔ کہیں زیادہ اہم اور ضروری تھا۔ لیکن باوجود اس مسئلہ کے اس قدر اہم اور ضروری ہونے کے اور باوجود اس قدر اختلاف رائے ہونے کے پھر بھی کوئی عقیدہ یا حکم یا قاعدہ کلیسیا کی طرف سے مقرر نہیں ہوا۔ جس کا ماننا خادمانِ دین یا مقتدیوں پر لازمی ٹھیرتا؛

توجب کہ نہ تو بائیبل نے نہ کلیسیا نے اس مسئلہ کا فیصلہ کیا ہے۔ تو کسی آدمی کو کیا اختیار ہے کہ اس امر میں ہماری آزادی چھیننے کی کوشش کرے؟ اگر ہم اب دب جائیں تو اس سے ہمارے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ ملحدوں کے سخت سے سخت حملوں اور مسیحیوں کی سخت پریشانی ان سب کا مدارا اسی عام یقین پر ہے کہ مسیحی دین الہام کے متعلق خاص خاص عقائد رکھنے کا پابند ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہمیں صرف الہام پر یقین کرنا لازمی ہے مگر اُس کی تشریح میں ہم جتنا چاہیں ایک دوسرے سے اختلاف رکھ سکتے ہیں؛

اگر ہم یہ دیکھیں کہ بائیبل میں خاص خاص باتیں ہیں جنہیں عوام کے مسلّمہ اعتقاد کے ساتھ مطابقت نہیں دے سکتے تو اس سے بے چین ہونے کا کوئی موقعہ نہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے۔ کہ الہام کے متعلّق یہ عقیدہ ہی غلط ثابت ہو کیونکہ اس قسم کے عقائد کا مدار محض انسانی رائے اور انسانی ظن پر ہے۔ ہمارا اعتقاد جو الہام کے متعلق ہے۔ وہ کسی خاص تعریف کا پابند نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہم ادنیٰ سے ادنیٰ تعریف جو الہام کی کی جا سکتی ہے۔ مان لیویں۔ تو بھی مسیحی مذہب کی بنیادی اصولوں میں کسی طرح لغزش واقع نہیں ہو سکتی؛

نہیں بلکہ ایک قدم اور بڑھ کر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ مذہب کی بنیادی اصول اس امر پر بھی منحصر نہیں ہیں۔ کہ کسی وحی والہام میں بھی اعتقاد رکھا جائے مثلاً ہر ایک بحث وحجت جو بشپ بٹلر اور پادری پیلی صاحب مسیحی مذہب کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ وہ اس آدمی کے نزدیک بھی جو کسی الہام ومکاشفہ کا قائل نہیں۔ بلکہ "چاروں انجیل نویسوں کو ایک معمولی دیانت دار راست گو اور عقل کے آدمی مانتا ہے۔" یکساں وقعت اور زور رکھیں گی۔ یہ سب سے اہم سوال کہ آیا مسیح نے اس طور پر زندگی بسر کی۔ اس طور پر کلام کیا۔ اور مر گیا اور جی

اٹھا۔ ان انجیل نویسوں کے صاحب الہام ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ فقط اس امر پر کہ آیا وہ جائز اور معتبر گواہ تھے یا نہیں مگر میں اس امر کا کس کے لئے ذکر کرتا ہوں؟ یقیناً اس لئے نہیں کہ میں بائیبل کے الہامی ہونے پر مضبوط اعتقاد رکھنے کی ضرورت کو کمزور کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میرا یہ منشا ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو قدیمی تعصبات اور توہمات کو ڈھیلا کر دوں۔ تاکہ لوگوں کو الہام کی حقیقت اور وسعت کی متعلق صاف دل اور نیک نیت سے تحقیقات کرنے کے لئے آزادی حاصل ہو۔ میں اس امر پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہم اس سوال پر جس کے حل کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ آزادانہ بحث کریں۔ اور یہ خوف دل میں نہ لائیں۔ کہ اس سے کسی طرح ہمارے پاک دین کی بنیادیں ہل جائیں گی کیوں کہ بالفرض اگر ہم بائیبل کے ہر ایک صحیفے کو غیر الہامی ہی مانیں تو ہمیں اس وجہ سے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے۔ کہ بائیبل کی قدر و قیمت اس وجہ سے ہماری نظروں میں بہت کم ہو جائے گی۔ اس لئے جب کہ ہماری دین کی بنیاد بن الہام کے متعلق کسی خاص قسم کے اعتقاد رکھنے پر موقوف و مبنی نہیں ہیں۔ جب کہ خود بائیبل نے بھی اس سوال کو بے حل کئے چھوڑ رکھا ہے۔ اور جب کہ کلیسیا نے بھی گذشتہ ۱۹۰۰ سال میں کوئی خاص رائے اس کے متعلق قائم نہیں کی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی الہام کے متعلق تعریفوں یا مسئلوں کی نسبت اپنے کو ایسا ہی آزادانہ سمجھیں جیسا کہ ہوا اور جوار بھاٹا کے اسباب کی نسبت سمجھتے ہیں۔

باب چہارم

الہام کے متعلق سچا خیال کس طرح باندھ سکتے ہیں

ا

غلط طریق

یہ ایک نہایت ضروری اور اہم امر ہے۔ کیوں کہ موجودہ بے اطمینانی زیادہ تر اس سے پیدا ہوئی ہے کہ لوگوں نے گذشتہ زمانہ میں اس مسئلہ پر غور و بحث کرنے کے لئے غلط طریق اختیار کئے۔ جو غلط طریق اس وقت خاص طور پر میرے مدنظر ہے سو یہ ہے کہ چوں کہ ہم پہلے اپنے ذہن میں یہ خیال کر بیٹھے ہیں۔ کہ خدا کو فلاں معاملہ میں اس طور سے کام کرنا چاہیئے تھا۔ اس لئے یہ اُمید باندھ بیٹھے ہیں۔ کہ اس نے یقینی طور پر ایسا ہی کیا ہوگا۔ مگر یہ طریق ہرگز اطمینان بخش نہیں۔ کیوں کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں۔ کہ خدا اُس طریق سے کام نہیں کرتا جیسا کہ ہم نے اپنے ذہن میں فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ اُسے اس طور سے کرنا ضرور ہے یہ بات اکثر بتائی گئی ہے۔ کہ اگر تجربہ ہمیں اس کے برعکس نہ بتاتا تو ہم بڑے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے کہ اگر خدا انسان کو الہام دیتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ اس الہام تک سب لوگوں کی رسائی ہو۔ یا کم سے کم یہ کہ اُسے وہ الہام ایسے طور پر دینا ضرور ہے۔ کہ جب اس تک کسی شخص کی رسائی ہو۔ تو اُس

کے سمجھنے میں غلطی کرنے کا کوئی خوف وخطر نہ ہو۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس قسم
کے مفروضات کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہم اب اس قسم کی باتیں فرض نہیں کرتے
اس لئے کہ واقعات نے اُن کی بالکل تردید کردی ہے۔ مگر الہام کی نسبت
جو جو خیال باندھے گئے ہیں۔ اُن کی ساری تاریخ اسی قسم کے بے بنیاد مفروضات
کا قصہ بیان کرتی ہے۔ جو ایک ایک زمانہ میں بطور عقائد مسلّمہ کے تسلیم کرلئے
گئے تھے۔ اور جو اُس وقت خدا کی طرف منسوب کئے گئے تھے۔ لیکن اُن پر آج
کل کوئی بھی یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ مشکل سے لوگوں کو یاد بھی ہوں گے ؎

میں یہاں ان میں سے صرف چند مثالیں نقل کروں گا۔ جن سے یہ بخوبی ظاہر
ہو جائے گا۔ کہ میرا یہ الزام کہ مسیحی لوگ اپنی بائبل کی نسبت اس سے کچھ کم
احمقانہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ جیسے کہ محمدی لوگ قرآن کی نسبت رکھتے ہیں۔
سولھویں صدی میں یہ بڑے وثوق سے مانا جاتا تھا۔ کہ عبرانی نوشتوں کے اعراب
بھی الہام سے لگائے گئے ہیں۔ کیونکہ ممکن نہ تھا کہ خدا کسی لفظ کے صحیح تلفظ
کو ایسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ اس کی نسبت کسی قسم کا شبہ پیدا ہوسکے۔
لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد اس قول پر اعتراض کیا گیا۔ اور بعض علماء نے
یہ ثابت کردیا۔ کہ یہ اعراب عہدِ عتیق کے صحیفوں کی تکمیل کے کوئی ہزار سال
بعد ایجاد ہوئے۔ تو اُس وقت بھی اُن پر یہ الزام لگایا گیا تھا۔ کہ ان کے خیالات
الہام کے متعلق صحیح نہیں ہیں۔ خیر اب ہم سب جانتے ہیں کہ یہ علماء صحیح
کہتے تھے۔ اور اس وقت یہ قدیمی جھگڑا بالکل فراموش ہوگیا ہے۔ مگر الہام جوں
کا توں ویسا ہی موجود ہے۔

پھر بعض آدمیوں نے یہ ٹھہرایا کہ چونکہ خدا بائبل کا مصنّف ہے۔ تو ضرور
ہے۔ کہ اس کی زبان اور عبارت ہر قسم کے نقص سے خالی ہو۔ ٹھیک ویسے

ہی جیسے کہ مسلمان قرآن کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں)۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ خود خدا کا کلام ایک ادنیٰ درجہ کی عبرانی اور یونانی زبان میں لکھا جائے؟ ایسا کہنا اس کے منجانب اللہ ہونے سے منکر ہونا ہوگا۔ مگر یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی۔ بائیبل ایک بے نقص زبان یا عبارت میں نہیں لکھا گیا۔ اور لوگوں نے رفتہ رفتہ جان لیا۔ کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے کے لئے یہ امر ضروری نہیں؛

پھر اس امر پر بڑا زور دیا جاتا تھا۔ کہ ضرور ہے۔ کہ خدا کا کلام ایسے معجزانہ طور پر محفوظ و مصئون ہو کہ اُس میں کسی زمانہ میں بھی نقل کرنے والوں کے ہاتھ سے ذرا سی بھی غلطی واقع ہونے کا احتمال و اندیشہ نہ ہو۔ اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے جب اصلاح شدہ ترجمہ سے یہ ثابت ہوا کہ مختلف نسخوں میں سہو کاتب سے کہیں کہیں خفیف غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ تو اس سے پاک نوشتوں کے متعلق بہتوں کے ایمان متزلزل ہو گئے۔ بلکہ امریکہ کی متفی کلیسیا نے ایک جلسہ میں عام طور پہ یہ دعویٰ کر دیا کہ "منکروں کے سارے حملوں کے باوجود مسیحیوں کے دل میں پاک نوشتوں کی عزت و توقیر کو کسی چیز نے ایسا نقصان نہیں پہنچایا" جیسا کہ اس بات نے۔ مگر کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ لوگوں نے اپنے دل میں فرض کر لیا تھا۔ کہ خدا کو چاہیئے تھا کہ نقل کرنے والوں کی انگلیوں کی ایسی حفاظت کرتا۔ کہ وہ خفیف سی غلطی بھی نہ کر سکتے۔ خدا نے ان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ اور نہ اُن کے پاس اس قسم کا خیال کرنے کے لئے کوئی سند تھی۔ مگر انہوں نے اپنے ذہن میں یہ بات فرض کر لی تھی۔ اور پھر اُسے الہام کی تعریف کا ایک حصہ بنا دیا۔ کہ اس نے ضرور ایسا کیا ہے۔ اور اس لئے جب اُن کے اس خیال کی غلطی ثابت ہو گئی۔ تو بائیبل کے الہام کے متعلق ان کی یقین

و ایمان میں فرق آگیا۔

مجھے اور اسی قسم کے اعتقادوں کے جواب بالکل مفقود ہو گئے یا ہوتے جاتے ہیں۔ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً یہ کہ زبور کی ساری کتاب داؤد کی لکھی ہوئی ہے۔ خلقت چوبیس چوبیس گھنٹے کے چھ دنوں میں تکمیل کو پہنچی۔ یا یہ کہ اس امر سے انکار کرنا کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے۔ خود مسیح کی الوہیت سے انکار کرنا ہوگا۔ جس نے فرمایا تھا۔ کہ "وہ سورج کو چڑھاتا ہے۔ وغیرہ" اس قسم کے خیالات کی غلطی اور اُن کے سیدھے سادے لوگوں کے ایمان کے لئے خوفناک ہونے کے بارہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہم اُن امور کی بابت خواہ مخواہ اپنے دل میں بعض باتوں کو فرض کر لیں۔ اور پھر اُن کو الہام کی تعریف کے ساتھ ایسا خلط ملط کر دیں۔ کہ جب ان باتوں کی غلطی ثابت ہو جائے۔ تو بیچارے سیدھے سادے لوگوں کو اپنے ایمان کے لالے پڑ جائیں۔

اب ہم جب کبھی اس قسم کے خیالات کا ذکر سنتے ہیں۔ تو ہمیں ہنسی آتی ہے مگر اُن لوگوں کے لئے جو ان کو مانتے تھے وہ بالکل راست اور صحیح تھے۔ اور شاید ہم میں سے بھی بعض لوگ جو اس وقت ان باتوں کو سن کر مسکراتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر عقل و دانش نہیں رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کرو! ان کے صحیح یا غلط ہونے کے سوال سے قطع نظر کر کے ایک صاحب عقل آدمی پر جو ان پر غور کرے صاف روشن ہو جائے گا کہ الہام کے متعلق بعض عقاید جو اس وقت کثیر التعداد مسیحیوں کے دل میں نہایت گہری جگہ رکھتے ہیں۔ ایسے ہی بے بنیاد مفروضات ہیں۔ جیسے کہ وہ جواب بالکل مفقود ہو گئے ہیں جن دلائل کی بنیاد پر ہمارے آباؤ اجداد اپنے ان الہامی عقاید کو مانتے تھے۔ اسی قسم کی دلائل کی بنا پر ہم اس وقت

اپنے موجودہ عقائد کو مان رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا نے ضرور بائیبل کو ایسا اور ویسا بنایا ہوگا۔ اور یہ قرین عقل ہے۔ کہ وہ ایسا بناتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر ہمارے کسی ایسے اعتقاد میں کچھ فرق آنے لگتا ہے۔ تو ہم ایسے مشوش اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے بزرگ اپنے وہمی عقائد کی نسبت ہوتے تھے اور وہ بھی ہماری طرح ایسا ہی کہا کرتے تھے کہ "اگر یہ بات سچ نہیں ہے تو بائیبل ہرگز الہامی نہیں ہو سکتی۔" کچھ تعجب نہیں کہ جو لوگ بائیبل پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ ہمارے ہی الفاظ کو لے کر انہیں اپنے حملوں کا اوزار بناتے ہیں؟

ہمیں کس نے بتایا ہے کہ خدا کو چاہیئے تھا کہ بائیبل کو اس طرح الہام کرتا۔ جس طرح کہ ہم چاہتے ہیں۔ نہ اُس طرح جس طرح کہ وہ خود چاہتا ہے؟ ہم کون ہیں جو اس امر پر حکم لگا دیں۔ کہ اس نے الہامی کتابوں کے لکھنے والوں کو کس قدر علم کی وسعت اور کس قدر امداد دی۔ یا اُسے دینی چاہیئے تھی؟ کب ہم گذشتہ حالات سے عبرت حاصل کریں گے؟ اور کب ہم اس قسم کے ڈھکوسلوں سے باز آئیں گے۔ کہ چونکہ ہماری یہ رائے ہے۔ کہ خدا کو یوں یا دُوں کرنا چاہیئے تھا۔ اس لئے اس نے ضرور ایسا ہی کیا بھی ہے۔ اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ تو ہمیں الہام پر یقین لانے سے قطعی انکار کر دینا چاہیئے۔ بشپ بٹلر نے ایک سو پچاس سال ہوئے بڑی دانائی سے لوگوں کو یہ صاف بتا دیا تھا۔ گو یا کہ اس کا بتانا کچھ بھی کام نہ آیا کہ "ہم کسی صورت سے پہلے ہی سے اس امر کے حکم یا فیصلہ کرنے والے نہیں ہو سکتے کہ کس طریق سے یا کس مقدار سے ہم اس بالائی قدرت روشنی اور ہدایت عطا ہونے کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ پاک نوشتوں کے اختیار و سند کے متعلق صرف یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ آیا وہ وہی ہیں۔ جس کا وہ اپنے حق میں دعوی کرتے ہیں۔ آیا وہ اس قسم کی کتاب ہے۔ اور اس طور سے جاری کی گئی ہے۔ جیسا کہ

کمزور آدمی کسی ایسی کتاب کی نسبت جو آلہی الہام پر مشتمل ہو خیال کرنے کے عادی ہیں۔ اور اس لئے نہ تو مغلطات، نہ عبارت کے ظاہری نقص، نہ مختلف قرائتیں۔ نہ مصنفوں کے متعلق ابتدائی زمانہ کے جھگڑے۔ نہ اور کوئی اس قسم کی بات خواہ وہ ان سے بھی بڑی کیوں نہ ہو۔ پاک نوشتوں کے اختیار کو زائل کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ انبیاء یا رسل یا ہمارے خداوند نے یہ وعدہ دیا ہو کہ وہ کتاب جس میں آلہی الہام درج ہو۔ ان باتوں سے محفوظ و مصئون ہونی چاہیئے[1]۔

۲

صحیح طریق

اچھا تو اگر یہ غلط طریق ہے۔ تو الہام کے متعلق سچی بات معلوم کرنے کا صحیح طریق کون سا ہے؟ صحیح طریق یہ ہے کہ خود بائبل سے سوال کرو۔ کسی عوام النّاس کے مسلّمہ عقیدے یا کسی مفروضہ مسئلے کو خواہ کیسے زور شور سے اس کی تائید کیوں نہ ہوتی ہو کبھی مت مانو۔ جب تک کہ تم "نوشتوں کی تحقیق و جستجو کر کے یہ نہ معلوم کرلو۔ کہ یہ باتیں فی الحقیقت ایسی ہی ہیں"۔

علوم کی دوسری شاخوں میں اہل فلسفہ مدت سے یہ تسلیم کرتے آئے ہیں۔ کہ تحقیقات و جستجو کا صرف یہی صحیح طریق ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ جب کہ لوگ نیچر کو بھی ایسے ہی طور سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ جیسے لوگ اب بائبل کو کرتے ہیں۔ وہ پہلے بعض دعووں کو صحیح تسلیم کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر انہیں سے نتائج استخراج کرنے جاتے تھے۔ مثلاً اہل ہیئت نے فرض کر لیا تھا۔ کہ اجرام آسمانی کو دائروں میں حرکت کرنی ضرور ہے۔ کیوں کہ ان کی حرکت کامل ہونی چاہیئے

[1] اناٹومی حصہ دوم باب ۳۔

اور دائرہ کامل گولائی ہے۔ اور جو واقعات مشاہدہ میں آتے تھے۔ ان کو بھی کسی نہ کسی طرح تشریح کر کے اسی اصول کی قید میں لانے کے لئے کوشش کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ سوائے تذبذب اور پریشانی کے اور کچھ نہ ہوا۔ اور علم کی ترقی پہ مہر لگ گئی۔ جیسا کہ آج کل بائیبل کا بھی یہی حال ہے۔ مگر تین سو سال ہوئے فرانسس بیکن نے لوگوں کو ایک بہتر تجویز بتائی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ "خود نیچر سے سوال کرو۔ وہ تمہیں صحیح جواب دے گی۔ جو خیال تمہارے دل میں جم رہے ہیں۔ انہیں دھو ڈالو۔ قدرت کے واقعات اور ظہورات کا امتحان کرو۔ اور دیکھو کہ کون سا مسئلہ تم قائم کر سکتے ہو جس میں یہ سب سما جائیں"۔ اور اس طور سے اس نے مطالعہ فطرت کی ایسی کایا پلٹ دی کہ اس میں وہ پر بانتائج کا پھل لگنے لگا۔

یہی طریق ہمیں الہام کے مطالعہ میں استعمال کرنا چاہئے۔ ہمیں وہ پرانا طریق چھوڑ دینا چاہیئے جس میں پہلے یہ فرض کر لیتے تھے۔ کہ فلاں فلاں بات بائیبل کے حق میں صادق آنی چاہیئے۔ اور پھر انہیں مفروضات کی بنیاد پر بحث و حجت شروع کرتے تھے۔ ہمیں بیکن کے قاعدہ پر عمل کرنا چاہیئے۔ کہ "خود بائیبل سے سوال کرو اور وہ تمہیں صحیح جواب دے گی"۔ ہمیں اپنا الہام کا مسئلہ ان واقعات کی بنا پر قائم کرنا چاہیئے۔ جو بائیبل میں مرقوم ہیں۔ اور وہ اسی صورت میں صحیح ہوگا۔ جب ان تمام واقعات کے ساتھ مطابقت کھائے گا۔

اب میں اس طریق کو ایک سادہ مثال کے ذریعہ سے بیان کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ الہام کے متعلق جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے معلوم کروں۔ خدا نے مجھے کہیں نہیں بتایا۔ کہ الہام ٹھیک کیا ہے۔ اُس

نے مجھے یہ بتایا ہے۔ کہ یہ ایک الٰہی ناشر ہے۔ یا یوں کہوں کہ قدیم لکھنے والوں کی روح میں روح قدس کا نفخ ہے۔ مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے ٹھیک ٹھیک مراد کیا اور کس قدر ہے۔ نہ یہ کہ مجھے اس سے کس قسم کے اثرات کی امید رکھنی چاہیئے۔ اس لئے میرے پاس اس کے دریافت کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس واقعہ کے متعلق تحقیقات کروں کہ بائبل میں اُسے کس طور سے پیش کیا گیا ہے۔

میری رائے میں بائبل اور سب کتابوں سے اس امر میں مختلف ہے۔ کہ وہ بالکل خدا سے معمور ہے۔ الٰہی خیالات اس کے انبیاؤں اور زبور نویسوں کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اس کی پیشین گوئیاں ایسی ایسی بھید کی باتیں بتاتی ہیں۔ جو خدا ہی ظاہر کر سکتا تھا۔ اس کی تواریخ دوسری تواریخوں سے مختلف ہے۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ الٰہی پہلو کو مدِ نظر رکھتی ہے۔ وہ انسانی زندگی کے تمام ظہوروں کی تہ میں اور پس پشت خدا ہی کو پاتی ہے۔ جب کہ دوسری تاریخیں فقط لڑائیوں اور شکستوں کامیابیوں اور ناکامیوں۔ قوم کے بادشاہوں اور رہائی دینے والوں کے حال بیان کرتی ہیں۔ یہ تاریخ بائبل ایک عجیب و غریب اور پُر راز الٰہی باریک بینی کے ساتھ پردہ کو پھاڑ کر پیچھے کو چلی جاتی ہے۔ اور یہ دکھا دیتی ہے۔ کہ ان سب واقعات کے پس پُشت۔ جو محض اتفاقی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک اور طاقت اس ساری دنیا کا انتظام و بندوبست کر رہی ہے۔ وہ تاریخ ہر جگہ خدا کو دیکھتی ہے۔ وہ خدا کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اس سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ الٰہی تعلیم اور یہ الٰہی باریک بینی الہام کی اس تعریف کا جو میرے نزدیک صحیح ہے۔ بہت بڑا جزو ہونا چاہیئے۔

اور جب میں اور بھی مطالعہ کرتا ہوں۔ تو میرے دل میں یہ یقین جاگزین ہوتا

جانتا ہے۔ کہ اس کتاب میں ایک خفیہ طاقت بھری ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ انسان کی اعلیٰ اور شریف زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور جوں جوں اس کتاب کا زیادہ مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی قدر زیادہ زور سے ہمیں اپنے گناہوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور ہمارے دل میں راستبازی اور صداقت کے لئے پرزور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس لئے میں اس عجیب وغریب روحانی قدرت کو بھی الہام کی تعریف کا ایک جزو قرار دوں گا۔

جب میں اور بھی آگے بڑھتا ہوں۔ تو میں دیکھتا ہوں۔ کہ انبیاء اور دیگر اشخاص صاف صاف اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ روح قدس اپنی تاثیر سے ان کی ہدایت کرتا۔ ان میں تحریکیں پیدا کرتا ہے۔ اور انہیں گویا اٹھائے لئے جاتا ہے۔ اور میں اپنے الہام کے تصور میں اس آگاہی کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔ جو مصنّف کے دل میں خدا کے الہامی پیغامبر ہونے کے متعلق پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب اور بھی مطالعہ کرتا ہوں۔ تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مصنف بھی ہیں۔ جو (مثلاً انجیل نویس) اِس قسم کی آگاہی اور احساس کا ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ مقدّس لوقا اپنی انجیل لکھنے کا فقط یہ سبب بتاتا ہے۔ کہ وہ اپنے نفس مضمون سے زیادہ کامل واقفیت رکھتا ہے۔ اور مقدس یوحنا کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ وہ ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔ اس لئے میں اپنے اس فیصلے کو ملتوی کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ "نہیں۔ لکھنے والے کے دل میں اس قسم کی آگاہی کا ہونا الہام کا لازمی جزو نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی خاص طور پر خدا کی طرف سے الہام حاصل کرے۔ مگر اُسے اِس کی خبر تک بھی نہ ہو"۔

اب شائد میرے نزدیک اس امر کے فرض کرنے کے لئے حجت و دلیل موجود ہو۔ کہ رُوح القدس کی اس ہدایت و رہنمائی میں یہ امر بھی شامل ہے۔ کہ لکھنے والا ہر قسم کے تاریخی یا علمی اُمور کی تحریر میں خفیف سے خفیف غلطی میں پڑنے سے بھی محفوظ رکھا جائے۔ اس لئے میں اپنے الہام کے تصور میں اس امر کو بھی داخل کر دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس قسم کے مفروضات کو جن کی صحت اغلب ہو داخل کر لینے میں کچھ ہرج نہیں۔ کیوں کہ آخر کار اس کی صحت و درستی محکِ امتحان پر پرکھی جائے گی۔ اور واقعات کی بنا پر اُس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن ایک دن کوئی معترض کسی علمی معاملہ کی بابت بائیبل کے کسی غیر صحیح بیان کی طرف مجھے توجہ دلاتا ہے۔ یا کسی ایسی بات کا ذکر کرتا ہے جو ظاہراً متضاد معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ سلاطین اور تواریخ کے صحیفوں کے بعض بیانات۔ اگر میں اس کی اطمینان بخش تشریح نہیں کر سکتا۔ تو ضرور میرے دل میں شبہ پیدا ہو گا۔ کہ میں اپنے فیصلہ میں جلدی کر رہا ہوں۔ اور کہ ابھی مجھے یہ حق حاصل نہیں ہوا۔ کہ اپنے الہام کی تعریف میں اس کے مصنفوں کے ہر ایک صیغہ میں سہو و خطا سے قطعاً مبرا ہونے کی صفت کو بھی داخل کر لوں ؛

اور اس طور سے قدم بقدم اور درجہ بدرجہ میں الہام کا وہ تصوّر حاصل کر لوں گا۔ جس میں یہ سب باتیں شامل ہوں۔ کبھی تو مجھے اپنے خیالات کی ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور کبھی زیادہ علمی روشنی ملنے کے سبب پہلے خیال کو رد کرنا پڑے گا۔ اور اس طور آخر کار میں علمی قاعدہ کے مطابق بائیبل کے الہام کی صحیح تعریف کر سکوں گا ؛

پس اس طور سے کارروائی کرنے میں کسی قدر تسکین ملتی ہے جب میں عام مفروضات کی بنا پر تحقیقات شروع کرتا ہوں۔ کہ الہام کے تصوّر میں یہ یہ اور وہ وہ باتیں شامل ہونی چاہئیں۔ تو میں قدم قدم پر ٹھوکر یں کھاتا ہوں۔ اور معترضین میری جان کھا جاتے ہیں۔ کہ یہ یہ باتیں جو تم کہتے ہو۔ بائیبل ہرگز ان کے مطابق نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر میں اپنے سب مسائل کو خود بائیبل کے اندرونی امتحان پر موقوف رکھوں تو معترض بجائے مخالف ہونے کے سچّائی کی تلاش میں میرا ممّد و معاون بن جاتا ہے۔ میں اُن باتوں کی تحقیقات کرنے میں جو وہ میرے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہرگز خوف نہیں کرتا۔ اگر وہ میری تردید کے خیال سے میرے سامنے کوئی تاریخی نقص یا کوئی بیان جو خلاف اصُول علم ہو۔ پیش کرتا ہے تو اس سے نہ مجھے لرزہ چڑھتا ہے۔ نہ میرا دل پیچ و تاب کھانے لگتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اس بات میں سچا ہے تو یقیناً میرا تصوّر۔ جو میں نے اِلہام کی بابت قائم کیا ہے۔ غلط ہوگا۔ میں سمجھے بیٹھا تھا۔ کہ الہام کے تصوّر میں سہو و خطا سے مبرّا ہونا بھی شامل ہے۔ گو خدا نے تو ایسا نہ کہا تھا۔ مگر مجھے خیال تھا۔ کہ ایسا ہی ہوگا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا خیال غلط تھا۔ اس لئے مجھے اپنے مسئلے کو درست کرنا چاہیئے۔

اور اس طرح مطمئن اور صاف دل کے ساتھ میں ٹھنڈے دل کے ساتھ ان سب سوالات کا امتحان کر سکتا ہوں۔ جو دوسرے آدمیوں کی جان کھا رہے ہیں۔ کیوں کہ میں اس بات کو بہتر سمجھتا ہوں کہ عجز و فروتنی اور ادب و تعظیم کے ساتھ ان ظہورات کا جو بائیبل میرے سامنے پیش کرتی

ہے ۔ امتحان کروں ۔ اور اس طور سے یہ دریافت کروں کہ خدا نے الہام کرنے میں کیا کیا کچھ کیا ہے ۔ نہ یہ کہ پہلے ہی سے اپنے دل میں ٹھان لوں ۔ کہ چوں کہ لوگوں کی رائے میں خدا کو ایسا اور ویسا کرنا ضرور تھا ۔ اس لئے اس نے ضرور ایسا ہی کیا ہو گا ۔

الہام کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا یہی صحیح طریق ہے ۔ اس لیے اطمینانی اور بے چینی سے بچنے کو میرے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں اور نہ الہام کا ایسا صحیح تصور باندھنے کا کوئی اور طریق ہے ۔ جو واقعات کے منطق کی زد سے بچنے کا حوصلہ کر سکتا ہے ؁

باب پنجم

الہام کے تصوّرات کی تاریخ

اِس امر کو ثابت کرنے کے لئے کہ یہ مشہور عوام خیال جو بائیبل کی نسبت پھیل رہے ہیں۔ محض لوگوں کی رائیں ہیں۔ جن پر ہر ایک زمانہ کے نیک اصحاب میں باہم اختلاف رائے رہا ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ یہاں مختصر طور پر اُن تمام بڑی بڑی مشہور رائیوں کی جو بائبل کے الہام کی حقیقت اور وسعت کے متعلق گذشتہ زمانوں میں مروّج رہی ہیں۔ ایک تاریخ لکھ دوں۔ اس سے پڑھنے والوں پر یہ واضح ہو جائے گا۔ کہ نفس الہام کے سب لوگ ہمیشہ سے قائل رہے ہیں۔ اور جو اس کا منکر ہوتا تھا۔ وہ کافر یا ملحد سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس امر میں اختلاف رائے رہا ہے۔ کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے کے خیال میں کون کون سی باتیں شامل ہیں۔ مثلاً آیا اس سے لفظی طور پر الہام ہونا مراد ہے۔ آیا انسانی عنصر اس سے خارج ہے۔ آیا الہام سہو و خطا سے مبرا کر دیتا ہے۔ آیا ہر ایک حکم و ہدایت جو الہام کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ کمالِ مطلق کا درجہ رکھتا ہے۔ اور آیا اس کے احکام کا اجرا ہر ایک زمانہ سے تعلّق رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ،،

۱

یہودی

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے خداوند کے زمانہ میں اور مسیحی دین کی ابتدائی صدیوں میں یہودیوں کا اعتقاد کیا تھا۔ اس میں ہرگز کلام نہیں کہ وہ الہام کے مسئلے کے متعلق بہت ہی اعلیٰ درجہ کے اور نہایت ہی سخت قسم کے اعتقاد رکھتے تھے۔ انبیار کی زندہ آواز بند ہو چکی تھی۔ اور رسمی حرف پرستی جو ایک مردہ مذہب کا نشان ہے۔ بائیبل کے مطالعہ میں برسرِ حکم پائی جاتی تھی۔ مشہور یہودی عالم فیلو جو ڈیسی یونانی خیالات کی پابندی میں الہام کو محض ایک حالت وجد سمجھتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ نبی اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں بولتا۔ بلکہ وہ محض خدا کے ایک آلہ کے طور پر ہے۔ جس میں خدا الہام کرتا یا پھونکتا ہے! ور اس کے ذریعہ سے وہ خود کلام کرتا ہے۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے۔ کہ الہام کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک کو یکساں درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس کے مابعد کے زمانہ کے یعنی مسیحی دین کی ابتدائی صدیوں کے یہودی اس سے بھی زیادہ سخت اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں ہر ایک لفظ، ہر ایک حرف، ہر ایک حرف کی صورت خدا کی طرف سے مقرر کی ہوئی تھی۔ اور اس میں کسی قسم کی غلطی کی آمیزش ناممکن تھی۔ ان کی اس روایت سے خاص طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب موسیٰ پہاڑ پر چڑھا۔ تو اس نے یہوواہ کو شریعت کی کتاب کے حرفوں پر گلکاری کرتے پایا۔ وہ لکھتے وقت بڑی احتیاط سے ہر ایک ذرا ذرا سی تحریری خصوصیت،

قرأت کی ہرایک صورت اور فرق کا لحاظ کرتے تھے۔ وہ ہرایک آیت اور ہرایک لفظ اور ہرایک حرف کو گنتے تھے۔ وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں۔ کہ ہرایک حرف تہجی کتاب اللہ میں کتنی دفعہ آیا ہے۔ اور اس کے یاد رکھنے کے لئے خاص خاص علامتیں مقرر تھیں۔ وہ یہ بھی بتا گئے ہیں۔ کہ کتنی دفعہ ایک ہی لفظ کسی آیت کے شروع یا درمیان یا آخر میں آتا ہے۔ وہ توریت کی پانچوں کتابوں میں سے ہرایک کتاب کی عین درمیانی آیت اور درمیانی لفظ اور درمیانی حرف بھی بتا گئے ہیں۔ اگر کہیں متن میں اُنہیں کوئی صریح غلطی ملتی۔ تو وہ اس کی تصحیح کا کبھی حوصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک ٹھیک ٹھیک قاعدہ کے موافق اُسے حاشیہ پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ربّی اسمٰعیل لکھتا ہے۔ کہ "اے میرے بیٹے۔ خوب ہشیار رہ کہ تو اپنا کام کس طرح کرتا ہے۔ کیوں کہ تیرا کام آسمانی کام ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تو قلمی نسخہ میں سے کوئی حرف چھوڑ دے۔ یا بڑھا دے۔ اور اس طور سے عالم کا برباد کرنے والا ٹھیرے"۔

ان باتوں سے صاف صاف اُن کے عقائد کا پتہ لگتا ہے کہ وہ یقین رکھتے تھے۔ کہ بائیبل کا ہرایک نقطہ یا شوشہ الہامی ہے۔ اور کہ اس کا ہر حصہ ہر قسم کی سہو و غلطی یا نقص سے مبرا ہے۔ اور کہ شریعت کا ہرایک حکم نہایت ہی کامل ہے۔ اور کبھی منسوخ یا ترمیم نہیں ہو سکتا۔ نہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد اس حد کو پہنچ گیا تھا۔ کہ شریعت کی زبانی تفسیر و تشریح بھی سہو و نقص سے بری مانی جانی لگ گئی۔ اور اس کے حق میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا تھا۔ کہ جب خدا نے موسیٰ کو لکھی ہوئی شریعت دی۔ تو یہ شرح بھی اُسی وقت ملی تھی۔ کیوں کہ کیسے ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ ایک کامل شریعت کے ساتھ کامل تفسیر

بھی نہ ہو۔ یا ایسی ہو جو خود یہوواہ کے حکم یا اختیار سے نہ ملی ہو۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز خیالات کے ذریعہ خدا کے انتظام کے بموجب عہد عتیق کا متن محفوظ رکھا گیا۔ جن لوگوں کے اُس کی نسبت ایسے اعتقاد ہوں بھلا اُن سے بڑھ کر کون آدمی اس کام کے لائق اور سزاوار ہو سکتا ہے۔ کہ پاک نوشتوں کو صدیوں تک غلطی سے محفوظ رکھ کر نسلاً بعد نسلاً حوالہ کرتے چلے آئیں۔ مگر میں یہ تو ضرور کہوں گا۔ کہ وہ اس سے بڑھ کر اور کسی بات کی لیاقت نہ رکھتے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے درمیان بھی ایسے سچے دیندار آدمی نہ تھے۔ جن کے دل میں اِس قسم کے اعتقاد کی وجہ سے سچی دینداری نے جڑ پکڑ لی تھی۔ مگر پاک نوشتوں کی حرف کی غلامی نے اُنہیں ان کی روح یا حقیقت کا گہرا علم حاصل کرنے سے ضرور محروم رکھا۔ یہی عہد جدید کے زمانہ کے وہ رسم پرست لوگ تھے۔ جن کے طریق تعلیم کو مسیحؑ نے اس قدر قابل الزام ٹھہرایا تھا۔ ہاں یہ وہ آدمی تھے جن کو کلام اللہ کی طرف داری کے تعصب نے اس امر پر آمادہ کیا کہ اُنہوں نے خود خدا کے بیٹے کو مار کر ہی چھوڑا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود یکہ الہام کی نسبت اُن کے اس قسم کے خیالات تھے۔ تو بھی وہ اس میں مختلف مدارج کے قائل تھے۔ شریعت یعنی توریت سب سے اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد انبیاء کے صحیفے پھر زبور اور دیگر نوشتے۔ ہمارے ذہن میں نہیں آتا۔ کہ جب وہ لفظی الہام کے قائل تھے۔ تو کس طرح سے اِس قسم کے مدارج کے خیال کو اُس کے ساتھ تطبیق دے سکتے تھے۔

۲

ابتدائی کلیسیا

جیسا کہ ہم پہلے عہدِ جدید کے رفتہ رفتہ نشو و نما پانے کی نسبت لکھ چکے ہیں۔ اُس سے ہر ایک شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس صورت میں کلیسیا کے ابتدائی زمانہ میں الہام کی نسبت کوئی خاص مسئلہ قائم ہونا ایک مشکل امر تھا۔ ہم ہر جگہ یہی دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ کتب عہدِ عتیق کو مانتے ہیں خداوند اور رسُولوں کے کلام کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ اور اُن کے مُلہم من اللہ اور پُر از اسرار و معانی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر اُن کے درمیان الہام کی نسبت کوئی خاص مسئلہ قائم کرنے کی کوشش نہیں پاتی۔ بلاشبہ خداوند اور اس کے رسُولوں کا نمونہ انہیں اس امر سے باز رکھتا ہو گا۔ کہ وہ کٹ مُلاؤں کی طرح مسائل قائم کریں یا "حرف کی پرستش" کریں۔ جو اس زمانہ کے یہودیوں میں مروّج تھی۔ ان کو یاد ہو۔ کہ مسیح باوجودیکہ نوشتوں کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ تو بھی ان کے ساتھ بڑا آزادانہ برتاؤ کرتا تھا۔ نہیں۔ بلکہ اُس نے عہدِ عتیق کا کچھ حصہ اور اس کے مسائل کو اپنی تعلیم کے ذریعہ اعلیٰ پایہ کو پہنچا کر ایک طرح سے منسوخ کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا ہو گا۔ کہ کس طرح مقدّس پولس شریعت کو نامکمل ٹھہراتا تھا۔ اور رسول کیسی آزادی سے عہدِ عتیق کے صحیفوں کی عبارتیں نقل کرتے تھے۔ وہ محض الفاظ کے پابند نہ تھے۔ بلکہ اس کے مطلب یا معانی کو بیان کر دینا کافی سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن چند مثالوں پر پورا لحاظ کر کے بھی جو عبر ے اس بیان کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً مقدس پولس کا لفظ "نسل یا نسلوں" پر بحث کرنا (گلتیوں ۳: ۱۶)

پھر بھی میں بلا تامّل کہہ سکتا ہوں۔ کہ زمانہ حال کے لفظی الہام کا مروّجہ مسئلہ ہرگز خداوند یا اس کے رسُولوں کی زبان سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ اور اس لئے ابتدائی کلیسیا میں اس کا رواج پانا بالکل غیر اغلب ہے۔ لوگ صدیوں تک عہد جدید کی حدود کا فیصلہ کئے بغیر بھی قانع رہے۔ اور انہوں نے اس کو کوئی بڑی اہم بات نہیں سمجھا۔ ان کے درمیان بعض کتابوں کی قبولیّت کی بابت بھی باہم اختلاف تھا۔ اور اس لئے انہیں مسائل کی تائید میں پوری وثوق کے ساتھ نقل نہیں کرتے تھے۔ گو یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کے درمیان خدا اور نیکی کی بابت بہت کچھ پایا جاتا ہے۔ لیکن شاید وہ اُن کے پاس دُوسری کتابوں کی طرح اعلےٰ سند کے ساتھ نہیں پہنچی تھیں۔ اگر وہ موجودہ زمانہ کے لفظی الہام کے قائل ہوتے۔ تو اس قسم کی باتیں انہیں بالکل حیران و پریشان کر ڈالتیں؎

جب ہم ان کی تحریروں کا امتحان کرتے ہیں۔ تو ان میں سے اِس پہلو یا اس پہلو کی تائید میں عبارتیں نقل کر دینا بالکل آسان امر ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ہم اُن میں سے بعض سربرآوردہ مصنّفوں کے چند فقرات نقل کرتے ہیں۔ مثلاً کلیمنٹ رومی (سنہ ۹۰ئہ) نوشتوں کو روحُ القدس کی سچی باتیں" کہتا ہے۔ جسٹن شہید (سنہ ۱۵۰ئہ) لکھتا ہے کہ "روحُ القدس کا عمل الہامی کتابوں کے لکھنے والوں پر ایسا تھا جیسا مضراب کا اثر بربط پر ہوتا ہے"۔ اتھینا گوراس (سنہ ۱۷۰ئہ) میں لکھتا ہے کہ "یہ ایسا ہے۔ جیسے بنسی نواز بنسی بجاتا ہے"۔ یہ بات تو بالکل لفظی الہام کی اعلیٰ تھیوری کی مانند معلوم ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ پاک نوشتوں میں انسانی عنصر کی ملاوٹ سے قطعی منکر ہے۔ مگر یہ یاد رہے۔ جیسا کہ بشپ

CamScanner

وسٹکٹ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں اِس قسم کی مثالوں اور تشبیہوں کی نسبت جن سے لکھنے والا خدا کے ہاتھوں میں محض ایک آلہ کے طور پر معلوم ہوتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ آواز کی سُر اور خاصیت نہ صرف بجانے والے کے ہاتھ پر بلکہ خود ساز پر بھی موقوف ہوتی ہے ؎

کلیمنٹ ساکن اسکندریہ (۱۹۰ء) لفظی اِلہام کے اعلیٰ مسئلہ کا قائل معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ پاک نوشتوں کو بالکل سہو و خطا سے مبّرا سمجھتا تھا ٹرٹولین (۲۰۰ء) کا یہ خیال تھا کہ الٰہی الہام الہامی شخصوں کو ایک قسم کے وجد یا غشی کی حالت میں دیا جاتا تھا۔ گو اس کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ رسول بعض اوقات اپنی طرف سے بھی بولتے تھے۔ جیسا کہ مُقدّس پولس کہتا ہے۔ کہ "باقی لوگوں سے میں کہتا ہوں۔ نہ خداوند" مقدس اگستین (۴۰۰ء) میں اناجیل کی بابت کہتا ہے۔ کہ انہیں کلیسیا کے سر نے لکھوایا ہے اور وہ عام طور پر پاک نوشتوں کے سہو و خطا سے مبّرا ہونے کا قائل ہے اگرچہ بعض اوقات ایسی رائیں بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ جو اس خیال سے مطابقت نہیں کھاتیں۔ یوسی بیس (۳۲۵ء) ایک جگہ اس امر پر غضب ناک ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کہے۔ کہ زبور نویس کسی شخص کے نام کی بابت غلطی کھانی ممکن ہے۔ اور ایک اور بزرگ اپی فینیس اس خیال کو مردود ٹھیراتا ہے۔ کہ رسُول نے ایک آیت زیر بحث میں انسانی حیثیت سے کلام کیا ہے ؎

لیکن ان کے مقابلہ میں ہمیں ایسے ہی اور بزرگ ملتے ہیں۔ جو آزادانہ نوشتوں کے بیانات پر اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا بزرگ بھی دوسرے موقعوں پر ایسا ہی کرتے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اوریجن (۲۲۰ء) جو اپنے

زمانہ کی کلیسیا میں بائیبل کی واقفیت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ اگرچہ پاک نوشتوں کے الہام کا بڑے ادب سے ذکر کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی لوگوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ لفظوں پر خیال نہ کرو۔ جو ممکن ہے کہ بے فائدہ ہوں۔ اور شائد ان سے ٹھوکر لگے۔ بلکہ تعلیم کی روح و مغز کو پہنچنے کی کوشش کرو۔ جس سے ہمیشہ روحانی امداد ملتی رہے۔ وہ اقرار کرتا ہے۔ کہ اناجیل میں اپنے اختلافات ہیں۔ کہ اُن سے "آدمی کا سر گھومنے" لگ جاتا ہے۔ اور وہ شریعت کے بعض احکام کی نکتہ چینی کر کے ان کا نامعقول ہونا ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ ساتھ ہی بڑی خوبصورتی سے اُس الٰہی مقصد کا جس کے پُورا کرنے کے لئے وہ لکھی گئی بیان کرتا ہے "جب لوگ بنی اسرائیل بیابان میں کڑکڑانے لگے۔ تو موسیٰ انہیں چٹان کے پاس پانی پلانے لے گیا۔ اور ایسا ہی وہ اب بھی انہیں مسیح کے پاس لے جاتا ہے" مقدس جیروم (د سنہ ۴۲۰ء) اپنے خیالات میں بالکل مختلف و متضاد ہے۔ کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل لفظی الہام کا قائل ہے۔ کہیں وہ تاریخی سلسلہ کی غلطیوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کا سمجھنا مشکل ہے۔ وہ لکھتا ہے: کہ مقدس مرقس (۲: ۲۶) نے غلطی سے اخی ملک کی جگہ ابیاتر لکھ دیا ہے۔ اور بڑی آزادی سے مقدس پولس کی نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور اس کی دہقانی زبان اور خلاف محاورہ عبارت کا ذکر کرتا ہے۔ اور اس کی دلائل کو کمزور و ناکافی ٹھہراتا ہے۔ خاص کر "نسل اور نسلوں" والی بحث میں گلتیوں ۳: ۱۶) مگر یہ بات قابل لحاظ ہے۔ کہ وہ ان باتوں کی نسبت کبھی یہ نہیں سمجھتا کہ ان کے سبب سے ان کتابوں کے الہامی ہونے میں فرق آنا ممکن ہے۔ مقدس خرسستم (د سنہ ۴۰۷ء) مختلف اناجیل کے بیانات میں فرق پاتا ہے۔ مگر اسے ایک طبعی بات سمجھتا ہے۔ اور اس کو اس

بات کا ثبوت ٹھیرتا ہے۔ کہ انجیل نویسوں کی گواہی ایک دوسرے پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہیں۔

یہ دیکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اُس زمانہ کے اہل الرائے کیوں کر الہام و مکاشفہ میں تدریج نشوونما اور ترقی کے قائل تھے۔ حالاں کہ اس اصول کا نہ ماننا آج کل اکثر لوگوں کو حیرانی میں ڈال رہا ہے۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ عہد عتیق کے بہت سے احکام محض لوگوں کی ادنیٰ اخلاقی حالت کے لحاظ سے دئے گئے تھے "خدا نے اُن کے ساتھ اس طرح سلوک کیا۔ جیسے ایک معلمؔ یا طبیب کرتا ہے۔ اور اگرچہ اُس نے اُن کی آبائی رسوم کی بعض باتوں میں کانٹ چھانٹ کر دی۔ مگر باقی کو رہنے دیا۔ اور اِس امر میں ان کے مذاق کو مدِّنظر رکھا...... کیوں کہ لوگ جس رسم کے عادی ہوتے ہیں۔ اُسے آسانی سے چھوڑنے میں نہیں آتے"۔ مقدس خردستمؔ لکھتا ہے "یہ مت پوچھو کہ عہد عتیق کے احکام اس وقت تک کس طرح فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی احتیاج ہی جاتی رہی ہے۔ بلکہ یہ پوچھو کہ جس زمانہ میں ان کی ضرورت تھی۔ اس وقت وہ کیا کام دیتے تھے۔

اُن کی سب سے اعلیٰ تعریف یہ ہے۔ کہ اب ہم انہیں ناقص معلوم کرتے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ ہمیں ایسے اچھے طور سے تربیت نہ کرتے۔ یہاں تک کہ ہم اعلیٰ باتوں کے محسوس کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو ہم اس وقت ان کے نقص و کمی سے ہرگز واقف نہ ہوتے"۔ پھر مقدّس بازل لکھتا ہے۔ کہ "شریعت جو آنے والی اچھی چیزوں کے سایہ کے طور پر تھی۔ اور انبیا کا کلام جو نشان و علامت کے طور پر ہونے کے سبب سچائی کو دھندلے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ یہ سب دل کی آنکھوں کے لئے بطور مشق کے تھے۔ تاکہ ہم اس سے بڑھ کر اس حکمت کو جو راز میں مخفی ہے حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں"۔

اس زمانہ کے الہامِ بائبل کے تصورات کا اندازہ کرتے ہوئے اس امر کو بھی مدّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ اُس وقت یہ اعتقاد بھی تھا۔ کہ کلیسیا کی ساری جماعت کو بھی الہام پانے کی قدرت حاصل ہے۔ جو مقدّس نوشتوں کے لکھنے والوں کے الہام سے فقط درجہ کے لحاظ سے ادنیٰ سمجھی جاتی تھی۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا۔ اس امر کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ کہ قدیم بزرگانِ دین اگرچہ پاک نوشتوں کے من جانب اللہ ہونے پر یک زبان تھے۔ مگر الہام کی حقیقت اور حدود کے بارے میں ان کے اعتقاد میں بہت کچھ آزادی پائی جاتی تھی۔

۳

قرونِ وسطیٰ یعنی درمیانی زمانہ

قرونِ وسطیٰ میں اس اعتقاد کا میلان اصول کے لحاظ سے ابتدائی کلیسیا کے عقائد سے بہت مختلف نہ تھا۔ بائبل کے الہامی ہونے پر سب لوگ کامل یقین رکھتے تھے۔ مگر یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہ الہامِ بائبل۔ کلیسیا کی غیر نوشتہ روایات کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ٹرینٹ کی کونسل میں اس بات کو صاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ جس کے بموجب رومی کلیسیا یہ ظاہر کرتی ہے کہ بائیبل کے صحیفوں اور غیر نوشتہ روایات کو جو کلیسیا میں سینہ بسینہ چلی آئی ہیں۔ وہ یکساں ادب و عزت کے ساتھ مانتی ہے۔ ان روایات کی ناصاف اور پُر اختلاف حالت پر لحاظ کر کے یہ امر صاف روشن ہے۔ کہ اس مسئلہ کے موافق پاک نوشتوں کے الہام کا خیال کس قدر گرا ہوا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں۔ کہ وہ بزرگانِ دین کی رایوں کو ایسے ہی وثوق اور اعتبار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ جیسے کہ الہامی مصنفوں کے اقوال کو۔

اور اس کے علاوہ دن بدن تصوّف کی طرف میلان بڑھتا چلا جاتا تھا جو اس امر پر زور دیتا تھا۔ کہ ہر ایک روح انسانی خدا کے ساتھ اس قسم کا میل اور اتحاد حاصل کر سکتی ہے۔ جسے الہام کے رتبے سے کسی طرح کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس قسم کے تصوّف کی سب سے عمدہ مثال زمانہ حال کے کوئیکر (QUAKER) فرقہ میں پائی جاتی ہے۔ ناظرین بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ افراد انسانی کے الہام کے متعلق ایسا مبالغہ آمیز اعتقاد اور اس کا روح الٰہی سے براہ راست پیغام حاصل کرنا اس حد کو جو بائیبل کے خاص الہام اور مسیحی افراد کے عام الہام کے درمیان جس سے "تمام نیک مشورے اور تمام عمدہ کام پیدا ہوتے ہیں۔" واقع ہے بالکل دور کر دیتا ہے ؛

تاہم ان سوالات کے متعلق جو اس وقت لوگوں کے دلوں میں جوش مار رہے ہیں۔ قرون وسطی کی رائے کے بڑے بہاؤ یا میلان کو معلوم کرنا کچھ آسان امر نہیں ہے مثلاً اس میں شک نہیں کہ بائیبل کے بیانات متعلقہ تاریخ و علوم کے خالی از سہو ہونے پر لوگوں کو کامل یقین تھا۔ اگرچہ ساتھ ہی ہم ابیلارڈ (بارہویں صدی کے نامی اور مشہور عالم) کے اس قسم کے آزادانہ خیالات کو بھی دیکھتے ہیں۔ کہ اس کے نزدیک رسولوں سے غلطی ہونی ممکن تھی۔ اور کہ انبیاء نے بعض اوقات محض اپنے انسانی خیالات ہی ظاہر کئے مگر سچ تو یہ ہے۔ کہ اس قسم کے سوالات علمی طور پر کبھی معرض بحث میں نہیں آئے تھے۔ کیوں کہ اُن کے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ کہ بائیبل کو ایک طبعی قاعدہ کے مطابق مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ وہ خدا کے اس برتاؤ اور سلوک کی تاریخ ہے۔ جو اس نے انسان کے ساتھ کیا۔ اور اس کے الفاظ کو بھی کسی دوسری کتاب کی طرح اُن کے صاف صاف اور لفظی معنوں کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے ؛

اور اس طور سے اس وقت بائیبل کی عجیب و غریب قسم کی شرحیں اور تفسیریں ہونے لگیں۔ یہودی روایات کی طرح جسے خداوند نے قابل الزام ٹھیرایا تھا۔ بگڑی ہوئی کلیسیا کی روایتوں اور متکلمین کے علم الٰہی کے سلسلوں نے کلام اللہ کی آزاد روحانی تعلیم کو بالکل دبا لیا۔ اس وقت بائیبل محض ایک قسم کی پتھر کی کان کے مانند سمجھی جاتی تھی۔ جہاں الٰہی فلسفہ کے بڑے بڑے مسائل کی تائید میں ثبوتی آیات کا ذخیرہ جمع ہو۔ اور اگر کہیں معمولی مطالعہ کرنے والے کو کوئی مشکلات نظر آتی تھیں۔ تو تفسیر کے خاص خاص اصولوں کی بنا پہ ان کی تشریح کر دی جاتی تھیں ؛

مصلحین کا سب سے عمدہ کام یہ تھا۔ کہ انہوں نے بائیبل کو پھر اپنے سچے رتبہ پر بحال کر دیا۔ اور لوگوں کو یہ بتا دیا۔ کہ انہیں اس کے وہی معنی سمجھنے چاہئیں جو اس کے لفظوں سے نکلتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے پرانی تعلیم کا خمیر بہت جلد مصلحین کے بعد کے مکتبوں میں بھی چل نکلا۔ اور اس کے بانیوں کا اصل مقصد کسی حد تک ضائع ہو گیا ؛

۴

زمانہ اصلاح

اصلاح کے وقت بائیبل کے مرتبہ میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ غلطی سے مبرا کلیسیا کا امتحان ہو چکا تھا۔ اور وہ نہایت ہی ناقص و قاصر ثابت ہوئی۔ اور لوگوں نے اس کی بدعملیوں اور توہمات باطلہ سے دق آ کر اور ایک راہنما کی ضرورت کو محسوس کر کے ایک " لاغلط بائیبل " کو اس کے جا بجا دھر دیا۔ "پروٹسٹنٹوں کا مذہب بائیبل ہے" "صرف پاک نوشتے ہی نجات کے لئے کافی

ہیں۔" یہ الفاظ اس تحریک کے تکیہ کلام ہو گئے۔ اور یہ بالکل طبعی بات تھی کہ عام میلان اس طرف ہو۔ کہ الہام کی حقیقت اور وسعت کے متعلق ایک اعلیٰ قسم کا اعتقاد رکھا جائے۔

مگر اس میلان نے دوسری نسل میں مبالغہ آمیز صورت اختیار کر لی۔ جن لوگوں نے دلیری کے ساتھ زمین کے اعلیٰ سے اعلیٰ مسلمہ اختیار کو اُٹھا پھینکا تھا۔ ان سے یہ خوف کیا جا سکتا تھا۔ کہ وہ ہر قسم کے اختیار سے بالکل آزاد ہونے کی کوشش کریں گے۔ آزاد خیالی تفتیش و جستجو میں دلیری جب وہ بگڑی ہوئی کلیسیا سے مقابل ہوتے تھے۔ ان باتوں پر اُن کی ساری قدرت کا مدار ہوتا تھا۔ اور وہ طبعی طور پر اس اصول کو دوسرے اُمور میں بھی استعمال کرنے لگے۔ اگرچہ ہم کو ان کی بعض رائیں سن کر افسوس آتا ہے۔ بلکہ مابعد کی زندگی میں وہ خود بھی اس پر افسوس کیا کرتے تھے۔ تاہم ہم ان کی اس حد سے بڑھی ہوئی دلیری اور آزادی پر جو ایسے نازک موقعہ پر اُن سے ظاہر ہوئی اُن پر سختی سے حکم نہیں لگانا چاہیئے۔ جب کہ آزادئ خیال کے متعلق جان جوکھوں کا سامنا تھا۔ تو اس امر سے گریز مشکل تھا۔ کہ بعض اوقات یہ آزادی مُنلسب حدود سے باہر نکل جائے۔

اراسمس کے خیالات پاک نوشتوں کے الہام اور مجموعے کے متعلق بالکل آزادانہ تھے۔ وہ مقدس یوحنّا کے مکاشفہ کے الہامی کتاب ہونے سے منکر تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا۔ کہ اگرچہ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ اس پر ایمان لانا برکت کا باعث ہو مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ نہ وہ پاک نوشتوں کے لکھنے والوں میں سے کسی کو ہر طرح کی سہو و غلطی سے مبرّا سمجھتا تھا۔ اس کا قول تھا۔ کہ فقط مسیح ہی حق کہلاتا ہے۔ اور فقط وہی ہر قسم کی غلطی سے مبرّا ہے۔

لوتھر بائیبل کے صحیفوں پر اپنی ہی تمیز کے مطابق حکم لگاتا تھا۔ چناں وہ مقدس یعقوب کے خط کے حق میں کہتا تھا کہ وہ نو ر کوڑا یا بھوسہ" ہے۔ کیوں کہ یہ خط اس کے اس خیال سے کہ آدمی فقط ایمان کے ذریعہ سے راست باز ٹھیرتا ہے۔ اختلاف کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ پاک نوشتوں کے مضامین میں وہ "سونا، چاندی، اور قیمتی پتھروں" کے ساتھ "لکڑی، گھاس، اور بھوسہ" بھی پاتا تھا۔ اس کا قول ہے۔ کہ "جو نوشتہ مسیح کا اعلان نہیں کرتا وہ رسولی نہیں ہے۔ خواہ وہ مقدس پطرس یا مقدس پولس کا لکھا ہوا کیوں نہ ہو۔ جو نوشتہ مسیح کا اعلان کرتا ہے وہ رسولی ہے۔ خواہ اس کے لکھنے والا یہوداہ یا اناس یا پلاطس یا ہیرودیس ہی کیوں نہ ہو" وہ ایوب کی کتاب کی نسبت کہتا ہے۔ کہ وہ ایک تاریخی ڈراما (ناٹک) ہے۔ جو توکل و صبر سکھانے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ اور اس کے نزدیک بائیبل کے تمام صحیفے یکساں قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ پولس کی تحریرات کو وہ سب سے افضل سمجھتا تھا۔ اگرچہ اس کے بعض دلائل کی نکتہ چینی کرنے سے بھی نہیں جھجکتا۔ وہ لفظی الہام کا ہرگز قائل نہ تھا۔ اور بار بار اُس سچائی پر جو بائیبل کے متعلق بحث مباحثوں میں اکثر فراموش کر دی جاتی ہے۔ زور دیتا تھا۔ کہ روح القدس فقط کسی قدیم زمانے کی کتاب ہی میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک مسیحی کے ضمیر میں بولتا ہے۔

کالوِن اگرچہ بائیبل کے معاملہ میں زیادہ مؤدب اور محتاط تھا۔ مگر لوتھر سے بہت ہی ہلکا آدمی تھا۔ اور اسی طرح اس کے خیالات بھی اس بارہ میں ہلکے قسم کے تھے۔ وہ پاک نوشتوں کی شرح و تفسیر میں ضمیر کو بہت کم جگہ دیتا تھا۔ جیسا کہ اس کے سلسلہ علم الٰہی کے بعض نفرت آمیز مسائل شاہد ہیں۔ وہ عہد عتیق کی اخلاقی تعلیم کو مسیحی کے دستور العمل کے لئے کافی سمجھتا تھا۔ وہ بائیبل کے ہر ایک

حصہ کو یکساں قابل قدر مانتا تھا۔ جب ایک موقعہ پر ریٹی ڈچیس اوف فیررا۔ تو اٹی دواز دہم کی لڑکی نے کہا کہ داؤدؑ کا نمونہ اپنے دشمنوں کے ساتھ عداوت کی بابت ہمارے لئے قابل تقلید نہیں ہے۔ تو کالون نے سختی سے جواب دیا کہ اگر ہم اس قسم کی تشریحیں کرنے لگیں۔ تو سارے نوشتے درہم برہم ہو جائیں گے۔ اور کہ اپنے دشمنوں سے عداوت کرنے کے لحاظ سے بھی داؤد ہمارے لئے بطور مثال کے ہے۔ اور مسیحؑ کا نمونہ اور نشان ہے۔ شاید اسی قسم کے خیالات ہی کی بنا پر اس نے سرویٹس کو اس کے مخالفانہ عقائد کی وجہ سے جلا دیا تھا۔ رومی۔۔ انکوئیزیشن[1] کے ممد اپنے افعال کو اسی قسم کی دلائل سے جائز ثابت کیا کرتے تھے تو کالون ایسا کیوں نہ کرتا ؟

دوسری نسل میں جب یہ سب جوش وخروش فرو ہوگیا۔ اور آزادانہ وحانی خیالات کسی قدر مردہ ہو گئے۔ تو بائیبل کو فی الفور وہ زتبہ حاصل ہوگیا۔ جو کہ ایسے حالات کے درمیان اُسے حاصل ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ جیسا کہ یہودیوں کا حال تھا۔ کہ جب اُن کے اولالعزم اصحاب اور انبیا گذر گئے۔ تو فقیہوں اور شریعت سکھانے والوں کا دور آیا۔ اور الہام کی ترو تازہ اور گرما گرم لہروں کے بعد حرف کی سرد اور سنگین پرستش شروع ہوئی۔ ”جب اصلاح کا پہلا ایکٹ ختم ہوا۔ اور وہ بزرگ چل بسے۔ جن کی حضوری سے وہ قوت حاصل ہوا کرتی تھی۔ تو ان کے پیروؤں نے بائیبل کو بحیثیت مجموعی غلطی سے مبرا ہونے کی اُن تمام مصنوعی صفات سے ملبس کر دیا۔ جن صفات کے رومی اپنی کلیسا کے لئے دعوے دار تھے۔ اپنے زمانہ کی ضروریات سے تنگ آکر کالون کے شاگرد یہ ماننے لگ گئے۔ کہ ہر ایک الہامی آدمی کے الفاظ بھی بلا لحاظ اس کی شخصی یا عقلی حیثیت کے ایک رہنما طاقت کے براہِ راست

---

[1] یہ رومی کلیسیا کی ایک عدالت تھی جو بدعتیوں کی تحقیقات کرتی۔ اور ان کو سزا دیتی تھی۔

اور بالائی قدرت فعل کا نتیجہ ہیں۔ پاک نوشتوں کا ہر ایک حصہ نہ صرف تعلیم سے مملو ہے۔ بلکہ ایک ہی قسم کی تعلیم سے اور ایک ہی معنوں ہیں"۔ (وسنکٹ صاحب کی کتاب مطالعہ اناجیل پر)۔

بحث مُباحثہ کی ضرورتوں نے انہیں ایسے گوشوں میں دھکیل دیا جو نہایت خطرناک تھے۔ اور لاغلط کلیسیا کے مقابلہ میں انہوں نے بائیبل کا لاغلط ہونا رکھ دیا۔ الہام میں الہٰی پہلو پر اس قدر زور دیا گیا۔ کہ اس میں جو انسانی پہلو ہے وہ بالکل فراموش ہو گیا۔ لکھنے والا خدا کے ہاتھ میں محض ایک قلم کے طور پر تھا۔ وہ گویا روح القدس کے منشی کے طور پر تھا۔ کہ جو کچھ وہ لکھاتا تھا۔ یہ لکھتا جاتا تھا۔ پاک نوشتے اول سے آخر تک لفظ بلفظ الہامی ہیں۔ ایسے طور سے کہ ان کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک حرف ٹھیک ایسا ہے گویا کہ خود قادر مطلق خدا نے اُسے اپنے ہی ہاتھ سے لکھا ہے۔ اُن کا ہر ایک کلمہ خدا کا کلام ہے۔ "جو کچھ روح قدس نے لکھایا ہے۔ سو بالکل سچ ہے۔ خواہ وہ عقائد کے متعلق ہو۔ یا اخلاق کے تاریخ کے ہو یا تواریخ کے جغرافیہ کے ہو یا اسما کے"۔ اور پھر اس سے یہ استنباط کیا کہ تمام زمانوں میں پشت بہ پشت یہ نوشتے ایسے ہی چلے آئے ہیں۔ کیونکہ کاتب اور ناقل خدا کی قدرت معجز نما کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی غلطی یا تحریف سے بالکل محفوظ رکھے گئے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو ہم کس طرح مان سکتے کہ بائیبل سہو و غلطی سے مبرا ہے۔[1]

یہ بات اس زمانہ کے یہودیوں کی حرف کی پرستش کے کس قدر مطابق معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ زندگی کلیسیا سے خارج ہو رہی تھی۔ اور یہ مشابہت اور بھی زیادہ کامل ہو جاتی ہے جب ہم یہ پاتے ہیں کہ جیسا یہودیوں میں ویسا ہی ان لوگوں کے درمیان بھی پاک نوشتوں کے الفاظ کی اس قدر اعلیٰ عزت و

---

[1] جرمنی کے ایک پروٹسٹنٹ سینڈ (کلیسیا کی جماعت) نے باقاعدہ طور پر ۱۶۷۵ء میں یہ قرار دیا تھا۔

توقیر کے باوجود حقیقی روحانیت نہایت ہی ادنیٰ اور تباہ حالت میں ہو رہی تھی۔ پروٹسٹنٹوں کی ساری تاریخ میں کبھی اس قدر تنگ دلی اور تعصّب اور عداوت نہیں پائی جاتی جس قدر کہ اصلاح کے بعد کے زمانے میں جب کہ اس قسم کے مسائل لوگوں کے عقائد میں جڑ پکڑ گئے تھے ؛

اس طور سے اصلاح کے بعد کے دستور پرستی کے زمانہ میں الہام کے متعلق اِس قسم کے جھوٹے مسائل ظہور میں آئے جنہیں ہمارے زمانے کے لوگ الہام کی صحیح تعریف سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اور ان مبالغہ آمیز خیالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ ایسے نامعقول مسئلوں سے دق آگئے۔ اور جو کچھ ہم شک اور بے چینی اور الحاد اس وقت دیکھتے ہیں۔ اُن کے لئے یہی باتیں جواب دہ ہیں ؛

۵

زمانۂ حال

اٹھارھویں صدی کی ڈیِ ازم[1] اور الحاد کسی حد تک زمانہ اصلاح کے بعد کی اس قسم کی مسائل سازی کا نتیجہ تھا۔ بائیبل کے متعلق اِس قسم کی مبالغہ آمیز باتوں نے لوگوں کو طبعی طور پر اس کے متقابل کے گوشہ میں دھکیل دیا... رچرڈ ڈیکسٹر کا قول ہے۔ کہ "شیطان کا آخری ہیر لق یہ ہے۔ کہ کسی چیز کو حد سے پرے پہنچا کر اُسے بے کار کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح اس نے کوشش کی۔ کہ بائیبل کے اختیار میں مبالغہ کرنے سے اُسے برباد کر دے"۔ مخالفوں نے ہر ایک ذرا ذرا سی غلطی یا اختلاف پر جو بائیبل میں دریافت ہو سکتا۔ اور خاص

---

[1] وہ لوگ جو خدا کی ہستی کے تو قائل ہیں۔ مگر اس کو عالم کے انتظام میں کچھ حصہ نہیں دیتے ؛

کر عہد عتیق کی اخلاقی مشکلات پر اپنے حملوں کی بنیاد رکھ دی۔ ایسی باتیں اس شخص کو جو بائیبل کی نسبت خیال رکھتا ہے۔ کسی طرح پریشان نہیں کرسکتیں۔ لیکن اس زمانہ میں جب کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز اعتقاد رائج تھے۔ وہ نہایت خوفناک ہتھیار تھے۔ اگر یہ کتاب "بالائی قدرت کے الفاظ اور کلمات کا مجموعہ" ہے۔ جسے روح القدس نے بذاتِ خود لکھایا ہے اگر جیسا کہ علماء تعلیم دیتے تھے۔ کسی تاریخی یا علمی بیان۔ یا اخلاقی اور روحانی تعلیم میں کسی قسم کا ذرا سا نقص واقع ہونا الہام کے مفہوم کے خلاف ہے۔ تو ایک ملحد کا کام اس کی بیخ کنی کرنے میں کچھ مشکل کام نہ تھا +

صاحب عقل و ہوش مسیحیوں نے فوراً تاڑ لیا۔ کہ اس قسم کی تعلیم کو درست کرنا چاہیئے مگر تو بھی کئی نسلوں تک کچھ نہ کیا گیا۔ مگر شائد سب سے پہلی کوشش جو اس بارہ میں کی گئی۔ وہ کولرج صاحب کی ایک کتاب موسومہ "غور و فکر کی امداد" تھی۔ جو اس کی وفات کے بعد شائع ہوئی یہ ایک ایسے شخص کا کام ہے۔ جو فی الحقیقت بائیبل سے محبت رکھتا تھا۔ اور جس کو یہ دیکھ کر کہ ان مصنوعی خیالات کے سبب جو اس کے زمانے میں رائج تھے۔ مذہب کو کس قدر ضرور نقصان پہنچا ہے۔ سخت رنج و ملال ہوا۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ بائیبل کی شرح و تفسیر میں ضمیر کے اختیار کو تسلیم کرنا لازم ہے۔ وہ اس میں انسانی عنصر کی موجودگی اور اس کے طبعی اور برمحل ہونے کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ وہ بڑے جوش سے اس امر کی تردید کرتا ہے کہ بائیبل کے الہامی ہونے کے لئے اس کا ہر ایک نقطہ اور شوشہ سہو و غلطی سے مبرا ہونا ضروری ہے۔ وہ بائیبل کی تعلیم کی عظمت اور خوبصورتی میں ایسا محو ہے۔ کہ ان تحریروں کو جو اس کی چھوٹی چھوٹی مشکلات اور اختلافات کے

حل کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کا قول ہے
کہ "شاید اُن کی تشریح و توضیح ہو سکتی ہے۔ شاید نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کی
کسے پرواہ ہے۔ کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں"۔

یہ تو سچ ہے کہ اُس کے خیالات ایک خوف ناک حد کے قریب پہنچے
ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حالات کے لحاظ سے ایسا ہونا بالکل طبعی امر تھا
لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس نے بہتوں کو جگا دیا۔ کہ اس مضمون پر
سنجیدگی سے غور و فکر کریں۔ کنگلی اور مورس اور آرنلڈ اور دیگر اصحاب نے
یہ جھگڑا برابر جاری رکھا۔ گو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہمیشہ بڑی دانائی اور
سلامت روی کو اختیار کرتے اور مناسب حد کے اندر ہی رہتے تھے۔
مگر بحیثیت مجموعی انہوں نے لوگوں کی اس امر میں بڑی مدد کی۔ کہ وہ بائبل
کی نسبت زیادہ فراخ اور زیادہ صحیح خیالات رکھیں۔ اور ہم آج کل
اُن کی محنتوں کا ثمرہ کاٹ رہے ہیں۔ "اوروں نے محنت کی اور ہم اُن
کی محنت میں داخل ہو گئے"۔

دُوسراحصّہ

(خُدا نے بائیبل کو کس طرح الہام کیا)

مُقدّمہ

۱

اِس وقت تک ہم صرف زمین کے صاف کرنے میں مشغول رہے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو ایسے مقام تک پہنچائیں جہاں سے وہ الہام کے مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کر سکے۔ ہم نے یہ دریافت کیا ہے کہ موجودہ بے چینی کا بڑا باعث بائیبل میں نہیں ہے۔ بلکہ ان بیہودہ اور بے سند مفروضات میں ہے جو بائیبل کے متعلق لوگوں نے گھڑ رکھے ہیں۔ ہم نے یہ بھی معلوم کیا ہے۔ کہ مفروضات کے ذریعہ نہیں بلکہ ایک علمی تحقیقات کے طریق پر عمل کرنے سے ہم الہام کے صحیح مفہوم کو دریافت کر سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تاریخی طور پر ایک مختصر نظر کرکے یہ بھی بتا دیا ہے کہ مختلف زمانوں میں اس بارہ میں لوگوں کے کیا کیا خیال رہے ہیں۔

اب ہم دنیا میں اس طور پر بنیادیں رکھنے کے بعد اس امر کی تحقیقات میں مشغول ہوتے ہیں۔ کہ اس مضمون کے متعلق ہم قاعدہ اور اصول کے موافق کیا کچھ اعتقاد رکھنے کے مجاز ہیں۔

ہمارے سامنے جو سوال غور طلب ہے۔ سو یہ ہے کہ

خدا نے بائیبل کو کس طرح الہام کیا؟ الہام کے مفہوم میں کیا کیا باتیں

شامل ہیں؟ اس امر کو تسلیم کر کے کہ پاک نوشتوں کے لکھنے والے الہامی تھے۔ ہم پر اُن کی تحریروں کے متعلق کیا کچھ اعتقاد رکھنا لازم آتا ہے؟"

۲

مثلاً یہ کہ کیا خدا نے اس طور سے بائیبل کو الہام کیا کہ اس میں سے انسانی عنصر بالکل خارج کر دیا تھا؟ کیا لکھنے والا محض روح القدس کے قلم کے طور پر تھا؟ کیا لکھنے والے کی کوئی بھی ذاتی خصوصیت یا کوئی انسانی جذبہ یا نفسانی تحریک یا تعصب "کلام اللہ" میں موجود نہیں اور نہ وہ باتیں اس میں کوئی جگہ پا سکتی ہیں؟

کیا خدا نے بائیبل کو اس طور سے الہام کیا کہ اس میں کسی قسم کی سہو و غلطی کا علم یا تاریخ کے متعلق موجود ہونا ناممکن ہے؟ کیا الہام پر اعتقاد رکھنے سے اس امر پر اعتقاد رکھنا بھی لازم آتا ہے۔ کہ پاک نوشتے ہر طرح کی سہو و خطا سے مبرّا ہیں؟ یا اس کے ساتھ کیا اس قسم کا اعتقاد رکھنے بھی ممکن ہے۔ کہ کم سے کم اس کے علمی بیانات فقط اس زمانہ کی لاعلمی حالت کو ظاہر کرتے ہیں؟

یا اخلاقی اور مذہبی امور کے لحاظ سے اگر میں یہ یقین رکھوں۔ کہ بائیبل میں خدا نے الہامی مکاشفہ اس غرض سے دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے بنی انسان کو اٹھا کر اعلیٰ زندگی کی طرف لے جائے۔ تو کیا اس کے ساتھ مجھے یہ بھی ماننا ضرور ہے۔ کہ اس نے یہ مکاشفہ ایک ہی وقت اور ایک ہی دفعہ تمام و کمال دے دیا۔ یا کیا اس کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا بھی ممکن ہے۔ کہ اس کی تعلیم ابتدا میں نامکمل اور موٹی سوٹی ہونی چاہیئے تھی۔ یا دوسرے لفظوں

ہیں۔ کیا یہ خیال کرنا ناروا ہے۔ کہ عہد عتیق میں ایسی اخلاقی ہدایات اور شرائع ہو سکتی ہیں۔ جو آج کل کے مسیحیوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بہت ادنیٰ اور نامکمل سمجھی جانی چاہئیں۔

پھر کیا خدا نے بائیبل کو اس طور سے الہام کیا۔ کہ اس کے الہامی ہونے پر اعتقاد رکھنے سے مجھ پر یہ بھی لازم ٹھہرتا ہے۔ کہ مختلف صحیفوں کی پیشانیوں پر جو مصنفوں کے نام لکھے ہیں۔ انہیں بالکل صحیح مانوں یا یہ کہ یہ کتابیں جیسی مصنفوں کے ہاتھ سے نکلیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ چلی آئی ہیں؟

کیا الہام میں سخت دماغی محنت کو دخل نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ سے لکھنے والا قدیمی نوشتوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اطلاع حاصل کرے یا دوسری کتابوں میں سے فقرے کے فقرے اپنی کتاب میں داخل کرے؟ کیا نامعلوم اشخاص کے ذریعہ سے ان صحیفوں کا ترتیب دیا جانا یا اصلاح و ترمیم کیا جانا ان صحیفوں کے الہامی ہونے کو نقصان پہنچاتا ہے؟

ناظرین کو یاد رہے۔ کہ میں بڑے زور سے اس امر کو بار بار لکھ چکا ہوں کہ ان سوالوں کا جواب دینے میں ہمیں مذہبی لوگوں کے مفروضات یا اعتقادات کو ہرگز دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور یہ بھی کہ بائیبل اور کلیسیا دونوں نے ہمیں اس امر کی تحقیقات کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اور سچا طریق اس کام کے سرانجام کرنے کا یہ ہے۔ کہ بڑی احتیاط اور ادب کے ساتھ بے خوف ہو کر ہم خود مسئلہ الہام کی تحقیقات کریں جیسا کہ وہ بائیبل میں ہمارے روبرو پیش کیا گیا ہے۔

ناظرین کو مجھ سے یہ اُمید نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ میں اِس کتاب میں پُورے طور پر اس مسئلہ پر بحث کروں گا۔ اس کے لئے تو ایک بڑی کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ جس میں اول سے شروع کر کے بائیبل کی ایک ایک کتاب پر غور کیا جائے۔ اور مذکورہ بالا سوالات میں سے ہر ایک کے متعلق اس کی شہادت کو پرکھا جائے۔ میں یہاں اس قسم کے امتحان کی صرف چند مثالیں دے کر یہ دکھاؤں گا۔ کہ اس قسم کی تحقیقات کس طریق سے کی جانی چاہیئے۔ اور نیز وہ نتائج بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دوں گا۔ جو تمام معتقدر اہل الرائے کے نزدیک جن کی رائے کو ہماری نظر میں وقعت ہونی چاہیئے۔ مقبول و مسلم ہیں ✤

باب اوّل

اِلہام

۱

اِلہام کیا ہے؟

اِسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے وقت ایک عالم نے کہا تھا کہ "اگر تم مجھ سے نہ پوچھو۔ تو میں جانتا ہوں۔"

اور مجھے یقین ہے۔ کہ ہم میں سے اکثر اشخاص الہام بائیبل کے مفہوم کی نسبت اسی قسم کا جواب دینے پر مائل ہوں گے۔ ہمارے ذہن میں اس کی نسبت ایک دھندلا سا خیال ہے۔ کہ وہ کسی خاص قسم کی مخفی تاثیر کا نام ہے جو خدا نے پاک نوشتوں پر کی ہے۔ اور یہ خیال عملی ضروریات کے لئے تو کام دے جاتا ہے۔ مگر جب ہم سے اس کی اور حد طلب کی جاتی ہے۔ تو ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ اور مجھے شبہ ہے۔ کہ آیا اس کی صحیح اور مکمل تعریف کرنی ممکن بھی ہے اگر کوئی آدمی یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ خدا پاک نے پاک نوشتوں کے الفاظ کو لکھا دیا۔ اور اس لئے خدا پاک نوشتوں کا ایسا ہی مصنف ہے۔ جیسے مثلاً جان بینن صاحب "مسیحی کے سفر" کے ہیں۔ تو اس کا الہام کا تصوّر بالکل صاف ہے۔ لیکن اگر قسم کا اعتقاد رد کر دیا جائے۔ تو اُس کے

ساتھ ہی ایسی صاف اور واضح تعریف کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

الہام کا خیال فقط یہودیوں اور مسیحیوں ہی میں محدود نہیں ہے قدیم یونانی ورومی مصنف بھی اکثر "الٰہی جنون یا تنفس یا خدا سے اُٹھائے جانے یا خدا سے الہام کئے جانے اور پھونکے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ فنون شریفہ مثل سنگ تراشی یا مصوری اور شاعری کی لیاقت پیشین گوئی کی قدرت عشق و محبّت کا جوش، اور لڑائی کا تہور، یہ سب باتیں ان فنون کے دیوتاوں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ جو اس وقت اس شخص پر قابو پائے ہوئے سمجھے جاتے تھے۔ یہی الفاظ اور خیالات بعد از اں مسیحیوں کی مذہبی اصطلاحات میں بھی داخل ہو گئے۔ اور لازمی طور ابتدائی کلیسیا کے تصورات الہام پر بھی کسی درجہ تک اپنا اثر ڈالا۔

لفظ (Inspired) یعنی "الہام شدہ[1]" صرف دو موقعوں پر انگریزی بائیبل میں استعمال ہوا ہے۔ اول ایوب ۳۲: ۸۔ جہاں لکھا ہے کہ "قادر مطلق اپنے دم سے انہیں فہمید بخشتا ہے۔" دوم ۲ تمطاوس ۳: ۱۶ "ہر ایک کتاب جو الہام سے ہے۔" مگر اس سے ہمیں اس خیال کا پورا مفہوم دریافت کرنے میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ انگریزی لفظ کے معنی ہیں۔ "کوئی ایسی چیز جس کے اندر خدا پھونکتا ہے۔" اور یہ لفظ ہر درجہ کی الٰہی تاثیر

---

[1] اس کتاب میں ہم نے لفظ الہام انگریزی لفظ (Inspiration) (انسپائریشن) کا ترجمہ کیا ہے جس کے لفظی معنی "کسی کے اندر پھونک دینا" ہیں۔ لفظ اِلْہَام عربی مصدر لہم سے نکلا ہے جس کے معنی "ڈال دینا" ہے۔ یہ دونوں لفظ یعنی انگریزی و عربی قریب قریب بلحاظ لغت و اصطلاح کے ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

[2] عبرانی میں جو لفظ یہاں استعمال ہوا ہے بسونشاماہ ہے، جو عربی نسمہ سے ملتا ہے۔

پر عاید ہوتا ہے۔ ۲ پطرس ۱:۲۱ میں "قدیم زمانہ کے مقدس لوگوں" کا الہام ان لفظوں میں بیان ہوا ہے۔ کہ وہ روح القدس کی "تحریک" یا "اٹھائے جاتے" سے بولتے تھے۔ جو دم پھونکنے یا نفخ کی نسبت زیادہ زور رکھتا ہے۔ مگر ان دونوں الفاظ سے ہم صرف اتنی ہی سمجھ حاصل کرتے ہیں۔ کہ الہام کے معنی ہیں۔ "الٰہی تاثیر"۔

تو اب سوال یہ ہے کہ بائیبل کے واقعات کا بڑی احتیاط کے ساتھ امتحان کرنے کے بعد ہم الہام کی کیا تعریف کریں؟ ہم کو اس تعریف سے بڑھ کر ماننے سے قطعی انکار کر دینا چاہیے۔ جو خود لفظ ہی میں پائی جاتی ہے یعنی خدا کی طرف سے پھونکا جانا یا ایک الٰہی تاثیر کیونکہ صرف یہی تعریف ہے جو الہام کے سارے ظہورات پر حاوی ہوگی۔ یہ الٰہی تاثیر جیسا کہ بائیبل کے امتحان کرنے سے واضح ہوگا۔ بعض اوقات تو فی الحقیقت ایک معمولی بات ہوگی جس کی مدد سے آدمی کو یہ طاقت ملے کہ وہ کسی بات کو زیادہ سنجیدگی اور زیادہ صحت کے ساتھ بیان کر دے۔ بہ نسبت کسی اور معاملہ کے جو اس نے محض اپنی عقل و مشاہدے سے دریافت کیا ہے۔ اور بعض اوقات یہ ایک عجیب و غریب اور مخفی قوت ہوگی۔ جو انسان کو خداوند خدا کی پوشیدہ باتوں کے سمجھنے کی قابلیت عطا کر دے۔ اس قوت نے ایک آدمی کو تاریخ نویسی میں مدد دی۔ دوسرے کو قدیمی نوشتوں کی ترتیب دیتے ہیں۔ ایک کو فن معماری ہیں۔ دوسرے کو دل کے ابھارنے والے گیت گانے ہیں۔ اس نے ایک رسول کو کلیسیا کے لئے نیک اور عمدہ صلاحوں سے بھرے ہوئے خط لکھنے میں مدد ملی۔ اور اسی نے دوسرے نبی کے لبوں کو پاک آگ سے چھوا۔ تاکہ وہ اپنی قوم کو اس کی شرارت اور بدکاریوں سے خبردار کر دے۔

اگرچہ وہ دراصل ایک اخلاقی اور روحانی نعمت ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ذہن کی صفائی اور تیزی میں بھی مدد ملتی تھی۔ اس کے ظہور طرح طرح کے تھے۔ اور مختلف آدمیوں پر مختلف ہوتے تھے۔ اس سے اخلاقی اور روحانی سچائی کی گہری سمجھ حاصل ہوتی تھی۔ خدا کا حس۔ روح کا غلو، راست بازی کی خواہش عقیدت کی گرم جوشی۔ سب اسی کے پھل تھے اس سے حکمت اور عدالت کی روح۔ روحانی مکاشفات کے حاصل کرنے کی قابلیت۔ اور ذہنی قواء کی تازگی اور تیزی حاصل ہوتی تھی۔ وہ یہ سب یا ان میں سے بعض طاقتیں عطا کرتی تھی۔ اور وہ ان طاقتوں کو مختلف مقدار میں بخشتی تھی۔ اور اس کا ظہور مختلف صورتوں میں مختلف ہوتا تھا۔

اس لئے ہمیں الہام کی نسبت یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ وہ ایسی چیز ہے۔ جو ہر حالت میں یکساں عمل کرتی ہے۔ یا ہر وقت ایک ہی قسم کا عجیب و غریب نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ ان سادہ الفاظ میں اس کی تعریف نہایت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ وہ طاقت ہے جسے خدا ہر ایک آدمی کو اس مقدار کے موافق عطا کرتا ہے۔ جس کی امداد کی اس آدمی کو اپنے خاص سپرد شدہ کام کے سر انجام کرنے کے لئے حاجت تھی۔

۲

مکاشفہ اور الہام

تاکہ اس مضمون پر خیالات میں گڑبڑ نہ ہو۔ یہ ضرور ہے کہ ہم مکاشفہ اور الہام میں اچھی طرح سے امتیاز کر لیں۔ ہم ایک شخص کو الہام کرتے ہیں مگر ہم ایک امر کو کشف یا ظاہر کرتے ہیں۔ "الہام بطور ہوا کے سانس یا جھونکے

کے ہے۔ جو ایک اخلاقی ہستی کے یاد بانوں کو بھرتا ہے۔ مکاشفہ بطور ایک دوربین کے ہے جس سے ہم ایسی چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ جو آنکھ سے نظر نہ آ سکتیں۔" مکاشفہ کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو جو پہلے معلوم نہ تھی۔ ظاہر کر دینا۔ الہام کے معنے ہیں۔ روح القدس کا نفخ یا پھونکنا۔ تاکہ زیادہ روحانی کیفیت یا حالت یا زیادہ گرم جوشی اور گہری محبت پیدا کر دے۔ اور خدا کے مقاصد و منشا کا گہرا علم و فہم حاصل ہو۔ یا دیگر قابلیتوں کو جن کے استعمال کی الہامی شخص کو اپنے منصبی کام کے سرانجام کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ زیادہ تیز اور طاقتور کر دے۔

اس لئے الہام کا بغیر مکاشفہ یا کشف کے ہونا ممکن ہے۔ مثلاً اگر نکتہ چینی یہ ثابت کر دے کہ کسی کتاب کا کوئی جزو بھی بالائے قدرت طریق سے کشف نہیں کیا گیا۔ اور جو واقعات اس میں درج ہیں۔ وہ معمولی قدرت مشاہدہ کے ذریعہ سے یا قدیمی نوشتوں سے یا دوسروں کی شہادت سے حاصل کئے گئے تھے۔ تو اس سے کسی کتاب کا غیر الہامی ہونا لازمی طور پر ثابت نہ ہوگا۔ اس سے ہرگز یہ بیان غلط نہیں ٹھیرے گا۔ کہ مصنف کو الہام کے ذریعہ ایک صاف حافظہ اور الہی باتوں کے سمجھنے کے لئے ایک تیز فہم اور باریک بین نظر عطا ہوئی تھی۔ اور اس کو طبعی قوت سے زیادہ قوت امتیاز بخشی گئی۔ جس کے ذریعے سے اس نے جان لیا کہ اسے کیا کہنا چاہیئے۔ اور کس طرح کہنا چاہیئے۔

یقیناً سارا بائیبل الہی مکاشفہ نہیں ہے۔ بہت سی باتیں جو محض انسانی قواء کے ذریعہ معلوم نہ ہوتیں۔ وہ خدا نے معجزانہ طور سے بذریعہ مکاشفہ کے ظاہر کر دیں۔ مگر اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جن کے لئے مکاشفہ

کی حاجت نہ تھی۔ یہودی تاریخ کے واقعات معلوم کرنے کے لئے کسی قسم کے مکاشفہ کی حاجت نہ تھی۔ بلکہ قدیم نوشتوں اور مسودوں کا مطالعہ اور الہامی مصنف کا ذاتی مشاہدہ اور حافظہ اس غرض کے لئے کافی تھے۔ اسی رسولوں اور یوسف اور کنواری مریم کے اسماء۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا قصہ یا ہمارے خداوند کے معجزات کا بیان کرنے کے لئے جو اناجیل کے لکھنے والوں یا ان کی خبر دینے والوں کے مشاہدہ کئے تھے کسی مکاشفہ کی ضرورت نہ تھی۔ نہ پولوس رسول اپنے مشنری سیر و سیاحت کے معلوم کرنے کے لئے جن کا وہ اپنے خطوط میں ذکر کرتا ہے کسی مکاشفہ کا محتاج تھا۔

تو یہ ظاہر ہے کہ بائیبل کا بہت بڑا حصہ ہرگز خدا کی طرف سے کشف کے طور پر نہیں دیا گیا۔ اور نہ اس کی حاجت تھی مگر ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ اس نے سارا بائیبل الہام کیا جب کہ مصنفین نے اپنی قوت مشاہدہ یا حافظہ کو استعمال کیا یا قدیم تاریخی نوشتوں سے کام لیا۔ مثلاً یاشر کی کتاب۔ یا جد اور ادو کی تواریخ وغیرہ۔ تو ہم اس امر کے لئے الہام کی ضرورت کو دیکھ سکتے ہیں تاکہ واقعات کی قدر و قیمت اور منشا اور عملی تعلق و لگاؤ کا صحیح طور سے موازنہ کیا جائے۔ اور ہر ایک چیز اس کی حیثیت اور رتبہ کے موافق جانچی جائے۔ اور کہ کوئی واقعہ کافی طور پر حسب ضرورت بیان کیا جائے۔ اور بیرونی تاریخ کے پیچھے خدا کا ہاتھ صاف صاف نظر آئے۔

باب دوم

دو حدّیں

تمہید

اگرچہ جیسا ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ ہم الہام کی صحیح تعریف بیان نہیں کرسکتے اور نہ اس کی حقیقت کو بتا سکتے ہیں۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا الہام دینے میں کس قدر امداد وعطا کرتا ہے۔ تاہم اس کے ظہورات پر جیسا کہ وہ بائیبل میں نظر آتے ہیں۔ غور وفکر کرنے سے اس کی نسبت اپنے خیالات کو بہت کچھ صاف وروشن کرسکتے ہیں۔ ہم یہ دریافت کرسکتے ہیں۔ کہ آیا الہام اس امر کو لازمی ٹھہراتا ہے۔ کہ ہم بائیبل کے ہر ایک بیان کو محض خدا ہی کا کلام مانیں جس میں کسی مخلوق کے کلام کی آمیزش نہ ہو۔ یا کہ اس میں انسانی ناکاملیت اور نقص کی ملاوٹ بھی ممکن ہے؟ کیا ایک الہامی نوشتہ میں سہو وخطا کا ہونا ممکن ہے؟ یا کیا ایک الہامی کتاب میں مذہبی یا اخلاقی امور میں زمانہ حال کے مسیحی عقائد کی نسبت ادنیٰ درجہ کے ناتراشیدہ خیالات کا ملنا بھی ممکن ہے؟

اگر ہم شروع ہی میں ان حدوں کو مقرر کریں۔ جن کے درمیان ہماری تحقیقات محدود رہنی چاہیئے۔ اور جن سے باہر ہم تعیینی طور پر کہہ سکیں کہ

الہام کا سچا تصور ملنا ممکن نہیں۔ تو اس سے ہماری تحقیقات و جستجو میں بہت مدد ملے گی۔

اب جو لوگ کسی معنوں میں بھی پاک نوشتوں کو الہامی مانتے ہیں اُن کے درمیان ہم خیالات کی دو حدیں پاتے ہیں۔ جن سے باہر کوئی نہیں گیا۔ نیچے کی حد پر وہ لوگ ہیں۔ جو الہام کو محض ایک طبعی بات سمجھتے ہیں۔ اوپر کی طرف وہ ہیں۔ جو لفظی الہام کے قائل ہیں۔ اگر ہم اِن دونوں کو آخری حدود سمجھ کر اُن کو بحث سے خارج کر دیں۔ تو ہم حدود کو اور بھی تنگ کر دیں گے۔ جس کے اندر الہام کی سچی تعریف و تصور کے واقع ہونے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اور اس طور سے ہم کسی قدر صحیح تعریف کے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔

۱

طبعی الہام

اس وقت جب کہ قدیمی اعتقاد اکھڑے ہوئے ہیں۔ ایک آسان اور سادہ مسئلہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو بوجہ آسان اور سادہ ہونے کے بہت سے اہل الرائے اصحاب کے دلوں میں جڑ پکڑتا جاتا ہے۔ اور بہت سے دوسرے لوگ بھی جو ہرگز اہل الرائے کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ وہ اسے دوسروں سے مستعار لے کر خواہ مخواہ اس پر اپنی فصاحت و بلاغت جھاڑتے رہتے ہیں۔ اور چوں کہ اس میں سچائی کا کچھ جزو شامل ہے۔ جیسا کہ ایسی صورتوں میں عموماً ہُوا کرتا ہے۔ اس لئے وہ نہایت خوف ناک اور مغالطہ میں ڈالنے والا ہے۔

یہ مسئلہ اس طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کہ بائیبل چند صفحات کا مجموعہ ہے۔ جو فہیم اور معتبر اشخاص نے نیک نیتی سے تحریر کئے ہیں۔ اور جن کے کام میں روح القدس کی طرف سے الہام اور ہدایت دی گئی۔ مگر یہ ہدایت والہام ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شریف مصنفؔ کی کتاب میں خواہ وہ شاعر ہو یا واعظ پایا جاتا ہے۔ اور جس کی تعلیم سے لوگوں کے دل میں خدا اور مذہب کی نسبت سچے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کے اعتبار سے ہر ایک عالی قدر شاعر ملہم ہے۔ اور ہر ایک گرم جوش اور صادق آدمی جو اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے کوئی الٰہی پیغام رکھتا ہے۔ وہ ایسا ہی خدائے قادر کا نبی ہے۔ گویا کہ اس کا کلام بھی بائیبل کا ایک حصہ ہے۔ داؤد اور ملٹن شاعر۔ یسعیاہ اور جان بنین۔ افلاطون اور مقدس پولوس ایک ہی الٰہی روح کے مختلف ظہور ہیں۔" بائیبل کے مصنفؔ اس آگاہی اور شعور کو جو کسی حد تک سارے بنی آدم کو حاصل ہے۔ اور جو دنیا کے برابر وسیع اور خدا کی طرح عالمگیر ہے۔ اوروں سے ذرا زیادہ مقدار میں رکھتے ہیں"۔ انبیا کا الہام جس کے ذریعہ سے انہوں اپنے زمانہ آیندہ کی پیش خبری کی۔ وہ فقط باریک نظری تھی۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے اپنے زمانے کے میلانوں کو دیکھ کر جان لیا۔ کہ اُن سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ جو طاقت انہیں لوگوں کے ضمیر دل کو جگانے کے لئے حاصل تھی۔ وہ ان کی زندگی کی پاکیزگی و تقدس کا نتیجہ تھی۔ جیسا کہ انگلستان کے ایک فصیح البیان نے فرانس کے مشہور ملکی انقلاب کی بابت جو گذشتہ صدی کے شروع میں واقع ہوا پیشین گوئی کردی تھی۔ اسی طرح یسعیاہ نے یہودیوں کی اسیری کی پیشین گوئی کی تھی۔ جیسا کہ آج کل کسی پاک

آدمی کا کلام لوگوں کے دلوں پر تاثیر کئے بغیر نہیں رہے گا ویسے ہی زبور نویسوں اور رسولوں کے الفاظ کا بھی حال ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی قربت و نزدیکی میں زندگی بسر کرتے تھے*

۱۔(الف)

یہ مسئلہ کہاں تک سچ ہے؟

اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس میں بہت کچھ سچائی پائی جاتی ہے۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہوگی کہ الہامی آدمی صرف زمانہ گذشتہ ہی میں ہوا کرتے تھے۔ اور کہ الہامی نوشتے صرف بائیبل ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اور کہ خدا کی روح نے قدیم زمانے کے غیر مسیحی نیک دل معلموں کو آج اور کل کے نیک دل مسیحیوں کو الہام نہیں کیا۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں میں زندگی اور فرض کے متعلق بہتر اور اعلیٰ خیالات پیدا کرے*

دعا کی کتاب کے اِن الفاظ کو کون رد کر سکتا ہے۔ کہ خدا ہمارے زمانے میں اپنی روح قدس کے الہام سے لوگوں کے دلِ کے خیالوں کو پاک کرتا ہے؟ اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے۔ کہ لوتھر اور ٹامس اے کمپس کنگلی اور کارلائل کے پیغامات مذہبی خیالات کی درستی اور ترفیع کے لئے خدا کی طرف سے الہام نہیں کئے گئے تھے؟

لیکن یقیناً یہ سب باتیں اِس اعتقاد کے مخالف نہیں ہیں۔ کہ خدا نے ایک قوم کو دوسری اقوام کے فائدہ کے لئے خاص طور پر تربیت کیا اور اس نے خاص اور بالائی قدرت الہام کی نعمت دنیا کے قدیمی زمانوں میں خاص خاص آدمیوں کو عطا کی۔ تاکہ ان کے ذریعے سے اپنی ذات اور

مشیت کے متعلق بنیادی امور بنی انسان پر کشف کرے۔ جو اس زمانہ کے بعد کی تمام مذہبی تعلیمات کے لئے بطور رد نیا کے رہی ہیں۔ اس لئے آؤ۔ ہم اس امر پر غور کریں۔ کہ ہمارے پاس اس اعتقاد کے لئے کیا دلیل ہے۔ کہ پاک نوشتوں کے مصنفوں کا الہام ایک خاص قسم کا اور بالائی قدرت امر تھا۔ وہ معمولی الہام کی نسبت جس کی رہنمائی سے آج کل کے لوگ اچھے خیال سوچتے اور نیک کام کرتے ہیں۔ بزرا اور مختلف تھا۔

۱۔ (ب)
لکھنے والوں کا اپنے الہام کی نسبت کیا خیال تھا؟

پاک نوشتوں کے مصنفوں اور دوسرے مصنفوں کے دعاوے کا مقابلہ کرنے سے پہلے شروع ہی میں یہ سوال کرنا مناسب ہے کہ یہ مصنف خود اس امر کی نسبت کیا خیال رکھتے تھے؟ اس امر کی نسبت جو خود ان کی روحوں میں مخفی تھا۔ خود ان کی رائے یقیناً قابل قدر ہونی چاہیئے۔ اور اس سوال سے ہمیں فوراً ایک نہایت اہم جواب ملتا ہے۔ کہ جب کہ بڑے بڑے شعرا اور معلمین اور متخلقین علم کبھی بھی خدا کی طرف سے ملہم ہونے کے دعوے دار نہیں پائے جاتے۔ اور نہ اپنے پیغام کے ساتھ اس قسم کے الفاظ شامل کرتے ہیں۔ کہ " خداوند یوں فرماتا ہے "۔ بائیبل کے کئی ایک صحیفوں کے مصنف ایسا کرتے پائے جاتے ہیں۔

عہد عتیق پر نظر کرو۔ پہلے شاہ داؤد کے الفاظ سنو۔ جو اپنے الہام کی نسبت فرماتا ہے۔

"خداوند کی روح مجھ میں بولی
اور اُس کا کلام میری زبان پر تھا۔" (۲ سموئیل ۲۳: ۲)

پھر یسعیاہ کا کلام سنو:۔
"خداوند نے جب اُس کا ہاتھ مجھ پر غالب ہُوا ...... مجھ کو یوں فرمایا۔
(یسعیاہ ۸: ۱۱)٭

پھر یرمیاہ کا بیان سُنو:۔
"پیشتر اس کے کہ میں نے تجھے پیٹ میں خلق کیا میں تجھے جانتا تھا۔ اور رِحم میں سے تیرے نکلنے کے پہلے میں نے تجھے مخصوص کیا۔ اور قوموں کے لئے تجھے نبی ٹھیرایا۔ تب میں نے کہا۔ ہائے۔ خداوند یہوواہ! دیکھ میں بول نہیں سکتا کیوں کہ لڑکا ہوں۔ پر خداوند نے مجھ کو کہا۔ مت کہہ کہ میں لڑکا ہوں۔ کیوں کہ جن کے پاس میں تجھے بھیجوں گا۔ تو جائے گا۔ اور سب کچھ میں تجھے فرماؤں گا تو کہے گا ...... دیکھ میں نے اپنی باتیں تیرے منہ میں ڈال دیں۔ دیکھ آج کے دن میں نے تجھے قوموں اور بادشاہوں پر اختیار دیا ....." (یرمیاہ ۱: ۵-۱۰)٭

عاموس جو ایک غریب چرواہا تھا۔ جب بیت ایل کے کاہنوں نے اُسے چپ رہنے کا حکم دیا۔ تو یوں کہتا ہے:۔
"میں تو نبی نہیں نہ نبی کا بیٹا ہوں۔ بلکہ چرواہا ہوں۔ اور گولر کے پھولوں کا بٹورنے والا ہوں۔ اور خداوند نے مجھے لیا جب میں گلّے کے پیچھے پیچھے جاتا تھا۔ اور خداوند نے مجھے فرمایا کہ جا اور میری اُمّت اسرائیل سے نبوّت کر" (عاموس ۷: ۱۴ اور ۱۵)٭
پھر سُنو حزقیئل کیا کہتا ہے۔ کہ

"روح مجھے اُٹھا کے لے گئی سو مَیں تلخ دِل ہو کے اور روح میں جوش کھا کے روانہ ہوا کہ خداوند کا ہاتھ مجھ پر غالب ہو رہا تھا" (حزقیئیل ۳: ۱۴)۔
مگر اور مثالیں جمع کرنے ضرورت نہیں ہے۔ ناظرین انبیاء کے صحیفوں میں سے گذر جائیں۔ اور وہ خود دیکھ لیں گے کہ کس طرح بار بار یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں۔ "خداوند کا کلام"۔ "خداوند یوں فرماتا ہے۔" بعض اوقات وہ دیکھے گا۔ کہ ایک نیم رضا پیغمبر "خداوند کے بوجھ" کے نیچے آہیں مار رہا ہے۔ اور کسی بالائی قدرت ہاتھ کے ذریعہ دھکیلا جا رہا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی خلاف مرضی بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جب کہ خدا کی رُوح قدرت کے ساتھ اُس پر اترتی ہے۔ اور یہ دیکھ کر اُسے اس امر میں کچھ بھی شبہ نہ رہے گا۔ کہ قدیمی انبیاء یہ یقین رکھتے تھے۔ کہ ان پر ایک خاص قسم کا اور بالائی قدرت الہام نازل ہوتا ہے:۔
اب عہد جدید پر نظر کرو اور خداوند کے وہ پر زور الفاظ سُنو۔ جن کا ہم حِصّہ اول باب دوم میں ذکر کر چکے ہیں۔ پھر مقدّس پولوس کے بیانات کو دیکھو۔ کہ وہ کس طرح لکھتا ہے۔ کہ مجھے انجیل عطا ہوئی۔ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی۔ بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" گلیتون ۱: ۱۲) پھر دیکھو کیسے ایک صاحبِ اختیار کی مانند وہ اپنے خطوں کو شروع کرتا ہے۔ "پولوس یسوع مسیح کا ایک رسول" گویا کہ وہ یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ اس کا سارا اختیار اسی ایک امر پہ منحصر ہے۔ پھر دیکھو وہ کس طرح قدیمی انبیاء کی طرح دعویٰ کرتا ہے۔ کہ "یہ بات ہم تمہیں خدا کے کلام سے کہتے ہیں۔" اور اپنے الہام کے حق میں اُس کا یہی خیال ہے۔ اور اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ وہ عہدِ عتیق کے نوشتوں

سے متعلق کیا خیال رکھتا ہے۔ تو اُس کے خطوط میں اُن بے شمار حوالوں کو دیکھو جہاں وہ بڑے ادب و عزت سے اُنہیں "خدا کا کلام" کہتا ہے۔ پھر ایک اور موقع پر وہ لکھتا ہے۔ کہ "خدا ہو سیع (نبی کے صحیفہ) میں فرماتا ہے۔" پھر "خدا ایک اور مقام میں فرماتا ہے۔ میں اُن میں بسوں گا۔ اور ان میں چلوں پھروں گا۔" (۲۔کرنتھیوں ۶: ۱۶)۔ پھر خاص کر اُس مقام کو دیکھو۔ جہاں وہ بڑے وثوق سے تمطاؤس سے کہتا ہے۔ کہ "تمام نوشتے جو خدا سے الہام ہوئے" جس کا ترجمہ خواہ کسی طرح کرو۔ اس سے کم سے کم یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ان نوشتوں کے ایک خاص قسم کے اور بالائی فطرت الہام کا قائل تھا۔

اور اگر ہم عہد جدید کے باقی صحیفوں میں سے بھی گذر جائیں۔ تو ہم معلوم کریں گے۔ کہ کس طرح مختلف نویسندہ یہ اعتقاد ظاہر کرتے ہیں۔ کہ انبیاء اس امر کی "دریافت" کرتے تھے۔ کہ مسیح کی روح جو اُن میں تھی۔ اُس کا مطلب کیا تھا۔ (۱ پطرس ۱: ۱۱) اور کہ خدا کے بندے روح القدس کی تحریک سے بولتے تھے" (۲ پطرس ۱: ۲۱) اور کہ ان باتوں کا ذکر "خدا نے دنیا کے شروع سے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے" (اعمال ۳: ۲۱) کہ "یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو۔" (متی ۱: ۲۲)۔

لیکن اِس قسم کی اور مثالیں نقل کرنا فضول ہے۔ کیوں کہ ہر ایک پڑھنے والے پر یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ پاک نوشتوں کے مصنّف یہ یقین رکھتے تھے۔ کہ ان کو ایک خاص قسم کا الہام ہوتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے ایک معجزانہ قوت بخشی گئی ہے۔

۱- (ج)

دیگر اُمور قابل لحاظ

اِس طبعی الہام کے مسئلہ کے خلاف اور بھی کئی اعتراض ہیں۔جن پر اس مقام پر بحث کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اُن مصنفوں کو ایک خاص قسم کی عجیب باریک بینی کی قوّت حاصل ہے۔جو کسی اور میں نہیں پائی جاتی - یا وہ الٰہی نبوّتیں جن کے سبب سے ایک مسیح کی آمد کی عالمگیر انتظاری پیدا ہوگئی یا معجزانہ علم و معرفت جیسے کہ مقدّس پولوس کو حاصل تھی۔" دیکھو میں ایک راز کی بات بتاتا ہوں - ہم سب سوئیں گے نہیں وغیرہ"- پھر یہ ایک نہایت عجیب بات ہے۔ کہ کس طرح یہ کتابیں جو ایک دوسرے سے علیٰحدہ بالکل ہیں - بلکہ ان میں سے بعض کے درمیان صدیوں کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔ پھر بھی سب کی سب مل کر ایک کامل اور جامع کتاب بن جاتی ہیں۔ گویا کہ کوئی استاد اس تمام معاملہ کا انتظام و بندوبست کر رہا تھا۔ اور بھی کئی ایک دلائل ہیں۔جن کا میں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ذکر کر چکا ہوں۔ جن سے اِس کتاب کا الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے۔مگر اُن کے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میرے خیال میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔وہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ کہ "طبعی یا فطرتی الہام" کا مسئلہ ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔جب تک کہ ہم بائیبل کی خاص خاص باتوں کو جو اُسے دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں۔بالکل نظرانداز نہ کردیں۔

۲

لفظی الہام

جو دلائل ہم نے اُوپر "فطرتی الہام" کے مسئلہ کی تردید میں بیان کی ہیں۔ وہی دلائل اکثر بائیبل کے "لفظی الہام" کی تائید میں پیش کی جایا کرتی ہیں۔ اس مسئلہ کے مطابق خدا پاک نوشتوں کا مصنف سمجھا جاتا ہے ٹھیک اسی معنوں میں جن میں مثلاً ملٹن شاعر کو اس کی مشہور نظموں کا مصنف کہہ سکتے ہیں۔ اس کا ہر ایک فقرہ اُسی کا لکھا یا ہوا ہے۔ اور اُس کے لکھنے والے محض بطور قلم کے تھے۔ جس کا چلانے والا روح قدس تھا۔ اور ان کا اس کام میں اس سے بڑھ کر اور کوئی حصہ نہ تھا۔ اس لئے بائیبل کلیتاً الہٰی الاصل ہے۔ اور لفظی طور پر اس کا ہر ایک فقرہ اور سطر خدا کی تصنیف کی ہوئی ہے۔ اس مسئلے کے صحیح طور پر بیان کرنے کے لئے میں اُس کے چند مشہور مویدوں کے الفاظ کو بجنسہٖ نقل کرتا ہوں۔ پروفیسر گوسن صاحب لکھتے ہیں۔ "خدا نے نوشتوں کو دیا اور اُن کی زبان پر بھی اپنی مہر کر دی ہے۔" ڈین برگن لکھتے ہیں۔ "بائیبل سوائے اس کے نہیں کہ وہ اس کی جو تخت پر بیٹھا ہے۔ آواز ہے۔ اُس کا ہر ایک صحیفہ، ہر ایک باب، ہر ایک آیت، ہر ایک کلمہ، ہر ایک حرف اس قادر مُطلّق کی اپنی آواز ہے۔ اور اس لئے مطلق بے نقص اور بے خطا ہے۔" ایک اور مصنف (مسٹر بیلی) لکھتا ہے۔ "اور اس کا ہر ایک کلمہ ایسا ہے جیسا کہ اُس صورت میں ہوتا۔ اگر خدا بغیر کسی انسانی وسیلہ کے آسمان سے کلام کرتا۔" حاصل کلام اس مضمون پر عام خیال یہ ہے۔ کہ الہامی نویسندوں

نے خدا کے بتانے سے ایسی تاریخیں لکھ دیں۔ جو ہر طرح کی سہو و خطا سے مبرا ہیں۔ اور جن کے تیار کرنے میں انہیں اور کسی قسم کے نوشتوں سے مدد لینے کی ضرورت نہ تھی۔

شاید ہمارے ناظرین میں سے کوئی کہے کہ "وہ پرزور کلمات جو ہمارے خداوند کے اقوال اور بائبل کے بعض مصنفوں کی تحریرات سے نقل کئے گئے ہیں۔ انہیں پڑھ کر مجھے یقین ہوتا ہے۔ کہ اغلباً لفظی الہام کا مسئلہ سچ ہے۔" خیر صاحب۔ آپ کو یہ بھی معلوم رہے کہ بہت سے اہل الرائے اس امر میں آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگرچہ وہ ان دلائل کی بنا پر بائبل کے الہامی ہونے کے قائل ہیں تاہم انہوں نے سطحی باتوں کو چھوڑ کر ذرا آگے بھی جستجو و تحقیقات کی ہے۔ تاکہ اس امر کو معلوم کریں کہ خدا کے الہام کے مفہوم میں کون کون سی باتیں داخل ہیں۔ اور وہ پاک نوشتوں کا امتحان کرنے کے بعد ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتے کہ اس لفظ کے مفہوم میں لفظی الہام بھی شامل ہے۔

مثلاً وہ تواریخ کی کتابوں میں صریح نشانات اس امر کے پاتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ لکھنے والے خدا کے لکھانے سے لکھتے۔ انہوں نے اپنے دماغوں سے کام لیا۔ اور قدیمی تاریخوں اور روائتوں اور سرکاری کاغذات میں ان واقعات کی جستجو اور تلاش کی۔ ہم یہ بھی پاتے ہیں۔ کہ باوجود اس ساری تحقیقات و جستجو کے ان کے بیانات میں بہت کچھ نقص و اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ انجیل نویس اگرچہ قصوں کے نفس مضمون میں باہم کامل اتفاق رکھتے ہیں۔ تاہم الفاظ کی بابت ایسی احتیاط کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ مثلاً جیسے کہ

صلیب کے اوپر کے نوشتہ کی بابت جہاں کہ دو انجیل نویس بھی باہم متفق نہیں ہیں۔ نیز وہ دیکھتے ہیں۔ کہ خود مقدس پولس رسول اس قسم کے الفاظ کے استعمال کرتا ہے کہ "میں ایک احمق کی طرح کلام کرتا ہوں"۔ جو اگرچہ ایک انسانی مصنف کے لئے ایسا کہنا ایک بالکل طبعی بات ہے مگر روح القدس کی زبانی ایسے الفاظ لکھائے جانے کی مشکل سے اُمید ہو سکتی ہے۔ وہ بعض زبوروں میں اس قسم کے الفاظ پاتے ہیں۔ جو ہمارے خداوند کی زبان سے بالکل ناموزون معلوم ہوتے ہ

وہ اس قسم کی باتوں سے جو بائیبل میں پائی جاتی ہیں۔ اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اور اگرچہ انہیں لفظی الہام پر یقین کرنے میں کچھ بھی اعتراض نہ ہوتا۔ تاہم وہ اس امر کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ اس قسم کی باتوں کو انسانی مصنفوں کے ذمہ لگاویں۔ بجائے اس کے کہ خدا کو اُن کا ذمہ دار ٹھیرائیں۔ اور ان دونوں باتوں میں سے ایک ضرور ہی ماننی پڑے گی ہ

اور جب ایک شخص اس طور پر غور و فکر کرنے لگتا ہے۔ تو اُسے اس لفظی الہام کے مسئلے کے خلاف ہر طرف سے ثبوت ملنے لگتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ اگر خدا لفظی طور پر اس کا مُصنف سمجھا جائے۔ ٹھیک انہی معنوں میں جس میں ملٹن یا جان بینن اپنی تصنیفات کے مُصنّف ہیں۔ تو بائیبل کی عبارت اور زبان ہمیشہ اور ہر حالت میں بے نقص کامل اور یکساں ہونی چاہیئے۔ حالاں کہ ایسا اکثر دیکھنے میں نہیں آتا علاوہ بریں ان میں مصنفوں کی ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو انسانی سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ کس طرح عہدِ جدید کے صحیفوں کے

لکھنے والے بلکہ خود خداوند عہدِ عتیق میں سے آزادی کے ساتھ آیات کو نقل کرتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ لوگ زبان میں نہیں بلکہ اندرونی خیالات اور مضامین میں اس الہام کے دیکھنے کے عادی تھے وہ یہ بھی دیکھتا ہے۔ کہ ہماری بائیبل میں بہت سا حصہ قدیمی نوشتوں تاریخی اور دیگر کاغذات بھی شامل ہے۔ اور اس لئے ان کے لئے اس امر پر یقین لانا ایک مشکل امر ہے کہ خدا ان قدیمی گم شدہ نوشتوں کے "ہر ایک فقرہ، ہر ایک لفظ اور ہر ایک کلمہ اور ہر ایک حرف" کا بھی لفظی طور پر مصنّف سمجھا جائے۔

اور وہ اس قسم کا سوال کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ پاک نوشتوں کے فقرات اور الفاظ اور حروف کے لفظی طور پر لکھائے جانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ خدا ان تمام صدیوں کے درمیان بھی اپنی معجزانہ قدرت کے ساتھ ان کے لفظ بلفظ صحیح طور پر نقل کرنے والوں سے لکھوانے کا بھی بندوبست نہ کر دے۔ مگر بائیبل کے اصلاح شدہ ترجمہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔ جو بات کہ علماء کو بہت پہلے سے معلوم تھی کہ پاک نوشتوں کے بعض الفاظ کے متعلق اکثر اوقات ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ دراصل صحیح لفظ کیا ہے۔ اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا۔ کہ یہ تو مانیں کہ ہزارہا سال ہوئے خدا نے یہ تو اپنی قدرت کے ذریعہ انتظام کر دیا۔ کہ پاک نوشتوں کا ہر ایک کلمہ خدا ہی کا لکھوایا ہوا ہو مگر ساتھ ہی یہ انتظام نہ کیا۔ کہ وہ ہر زمانے میں بالکل محفوظ بھی رہی۔ جس سے اس معجزے کا اصلی مقصد و مدعا بالکل فوت ہو گیا۔

مگر اس مسئلہ کی تردید میں اور زیادہ قوت خرچ کرنا محض تضیع اوقات

ہے۔ وہ زمانہ گذر گیا۔ جب کہ ایسا کرنے کی ضرورت ہوتی۔ لفظی الہام کی نسبت اب سب تعلیم یافتہ اشخاص یقین کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کا واقعات سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور اب دنیا کے دیگر پرانے مردود۔ دماغی خبطوں کے ساتھ وہ بھی چمگادڑوں اور چھچھوندروں کا حصہ ہے۔

اب ہم نے اپنی تحقیقات میں پہلے قدم پر یہ دریافت کر لیا ہے کہ خدا نے پاک نوشتوں کو اس طور پر الہام نہیں دیا۔ جیسا کہ لفظی الہام کے ماننے والے بیان کرتے ہیں۔ مگر برخلاف اس کے یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ اس نے اس طور پر بھی الہام نہیں کیا۔ جس طور پر کہ وہ آج کل بھی نیک لوگوں کو الہام بخشتا ہے۔ اس لئے دونوں مبالغہ آمیز حدود کو چھوڑ کر اور اس طور سے اپنی تحقیقات کے دائرہ کو محدود کر کے ہم اس امر کے دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔ کہ بائیبل کے الہام کے مفہوم میں کیا کیا باتیں شامل ہیں: تاکہ اس بارہ میں ہمارے خیالات و تصورات زیادہ صاف اور واضح ہو جائیں۔

باب سوم

انسانی اور الٰہی

۱

الہام میں انسانی عنصر

جو شخص صدق دل سے بائیبل کا مطالعہ کرے گا۔ وہ ضرور اس میں انسانی عنصر یا پہلو بھی پائے گا۔ اگر وہ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو بائیبل اس کے لئے ایک عقدہ لاینحل یا ایک گورکھ دھندا بن جائے گی۔ لیکن اگر وہ اس امر کو ادب و عزت کے ساتھ تسلیم کرے گا۔ تو بائیبل بالکل صاف اور زیادہ خوبصورت معلوم ہوگی۔ الہام خدا کی روح اور انسان کی روح کے اتصال کا نتیجہ ہے۔ یا شاید زیادہ صاف الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ خدا روح القدس اور انسانی ذہن اور ضمیر کے اتصال کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں اجزا میں سے ایک سے بھی قطع نظر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ جیسا کہ ہم گذشتہ باب میں دکھا چکے ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو پر حد سے بڑھ کر زور دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں گڑبڑ مچنے اور پریشانی پیدا ہونے کا خطرہ ہے جب ہم یہ پڑھتے ہیں۔ کہ "آدمی خدا کی طرف سے روح القدس کی تحریک کے سبب بولتے تھے"۔ تو ہمیں اس سچائی کے دونوں پہلوؤں میں امتیاز رکھنا چاہیئے۔

۱۔ وہ روح القدس سے تحریک کئے جاتے تھے۔

۲۔ وہ محض آدمی تھے۔

وہ ایسے ہی آدمی تھے۔ جیسے کہ ہم ہیں۔ ہماری ہی کمزوریاں اور ہمارے جیسے جذبات اور تعصبات رکھتے تھے۔ اگرچہ روح القدس کے اثر سے وہ بہت کچھ پاک صاف اور عالی مزاج ہو گئے تھے۔ ان آدمیوں میں ان کے مزاج اور طور و اطوار کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کوئی عالم و تعلیم یافتہ تھا۔ کوئی اس سے بے بہرہ تھا۔ ہر ایک اپنے اپنے پہلو سے بیرونی معاملات پر نظر کرتا تھا۔ ہر ایک دوسروں سے اثرات اور تجربات اور تربیت زندگی کے لحاظ سے مختلف تھا۔ ان کے الہامی ہونے سے طبعی قواعد کا معرض التوا میں پڑ جانا یا بے کار ہونا لازم نہیں آتا۔ اور نہ اس سے ان کی شخصیت یا تعلیم و خصلت کے اختلافات زائل ہو گئے جو صاحب علم تھا اس کی تحریر سے علمیت ظاہر ہوتی ہے جو جیسا پلا یا بچھوا تھا۔ وہ اپنی تربیت و عادت کا اظہار کرتا ہے۔ شاعر شاعر ہی رہا۔ اور فلسفی فلسفی ہی رہا۔ اور مورخ مورخ ہی رہا۔ ہر ایک کا طبعی خاصہ اور طور طریق جوں کا توں ہی رہا۔ اور اس لئے ہر ایک ہی اس کے فن کے قوانین کے مطابق شرح کرنی چاہیئے"۔

ایسا کہنے سے بائبل کی کسی طرح سے ہتک و بے عزتی نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی کہے۔ کہ زمین کا کرہ ٹھیک ، مدور نہیں ہے۔ تو اس سے اس کی عزت کو کیا داغ لگ جائے گا۔ بلکہ جب ہم ایسا کہتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہم ایک امر واقعی کا بیان کرتے ہیں۔ اُس کی بابت ایک سچی بات کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ وہ زیادہ درستی سے سمجھی جاسکے۔ ایک زمانہ میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس قسم کے بیانات بائبل کی شان کے شایان نہیں ہیں۔

اور جو لوگ الہام کے متعلق مسائل گھڑا کرتے تھے۔ بغیر اس کے کہ اُن کا واقعات کی رو سے امتحان و آزمائش کریں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بائیبل خالصاً ایک الٰہی چیز ہے۔ اور انسانی نولیسندہ محض ایک کل کے طور پر تھا۔ اور اس کی شخصیت کو اس کے کام میں کچھ بھی دخل نہیں۔ وہ خدا کے ہاتھوں میں محض ایک قلم کے طور پر تھا۔ جو وہ لکھاتا جاتا تھا۔ یہ لکھتا جاتا تھا۔ یا وہ رُوح القدس کے ہاتھوں میں بطور ایک ساز موسیقی کے تھا۔ لیکن جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے۔ جب زیادہ توجّہ سے بائیبل کا مطالعہ کیا گیا۔ تو ایسے ایسے اُمور ظاہر ہوئے۔ جو اس قسم کے خیالات کے بالکل خلاف تھے۔ تب یہ دریافت ہوا کہ بہت سی باتوں میں یہ الہامی کتابیں عام غیر الہامی کتابوں کی مانند ہیں۔ اُن کی زبان اور عبارت ہر حالت میں اعلیٰ درجہ کی نہیں۔ ہر ایک مصنف کا طرز تحریر اور طریق خیال الگ الگ ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک عام مصنفوں کی طرح اپنے اپنے عیوب اور خوبیاں رکھتا ہے۔ مورخ کو اپنی کتاب کی تصنیف میں وہی طریق اختیار کرنا پڑا ہوگا۔ جو آج کل کے تاریخ نویسوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اسے قدیم نوشتوں سے جو پہلے سے موجود تھے۔ اپنا مضمون اکٹھا کرنا پڑا۔ اور کچھ مصالحہ اپنے مشاہدہ اور حافظہ سے اور اپنے آس پاس کے لوگوں سے حاصل کیا۔ ان کی تحریرات میں ان کے عہد کے خیالات کا رنگ پایا جاتا ہے۔ مصنف کی علمی واقفیت بھی اس کے ہمعصروں کے دائرہ علم سے محدود معلوم ہوتی ہے۔ بعض نقادّ تو یہ کہنے کی بھی جرات کرتے ہیں۔ کہ وہ اُن میں انسانی تعصبات اور جذبات کے بھی نشانات پاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدس پولوس ایک یونانی شاعر کا قول نقل کرتے ہوئے سارے اہل کریت کو "جھوٹے اور موذی جانور" (طیطس ۱:۱۲) قرار دے دیتا ہے۔ یا جب کہ زبور نویس اپنے ظالموں کے خلاف غصہ میں

آ کر چلّا اٹھتا ہے۔ "اے خدا ان کے دانت اُن کے منہوں میں توڑ ڈال"۔ اور پھر "اس کے بچے سدا آوارہ رہیں اور بھیک مانگیں۔ وے اپنے ویرانوں سے خوراک ڈھونڈتے پھریں" (زبور ۱۰۹ : ۱۲)۔

ان باتوں سے قطع نظر کر کے بھی بائیبل میں انسانی عنصر بڑی صفائی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اس کے ایک بڑے حصہ میں ایسے ایسے حسّات اور جذبات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جو محض انسانی ہیں۔ یعنی تنہائی اور غم۔ خوف و رجا۔ شک اور تلخ کامی۔ ہم اس سب کو کلام اللہ پکارتے ہیں۔ اور ایک طرح سے یہ کہنا صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ یہ سب خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے مگر ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس کا بہت بڑا حصہ انسان کا کلام ہے۔ جیسے کہ بچہ اپنے باپ کو پکارتا ہے۔ امداد کے لئے دعائیں۔ شک و شبہات۔ اور ان دیکھی خدا کے لئے روح کی پرواز۔ یہ سب حسات ہمارے فطرتی حسات کے مانند ہیں۔ اور ہم انہیں ہمیشہ محسوس کرتے رہتے ہیں۔ کیا زبور کی کتاب کی خوبصورتی زیادہ تر اس امر میں نہیں ہے۔ کہ وہ بڑی درستی کے ساتھ انہی باتوں کو بیان کرتی ہے۔ جو ہم خود بار بار اپنے اندر محسوس کرتے رہتے ہیں؟ "اس لئے بائیبل کے انسانی پہلو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنا محض اس لئے کہ اس کے کلام ہونے کا خیال آمیزش سے خالی نہ رہے۔ ایسی ہی بڑی حماقت ہوگی۔ جیسے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ باپ اور بچہ کی گفتگو کے لکھنے کا سب سے بہتر طریق یہ ہے۔ کہ اس میں سے بچہ کے اقوال و خیالات و حسات کو بالکل چھوڑ دیا جائے"۔

خدا اسی طریق سے روح انسانی کو تعلیم دیا کرتا ہے۔ اگر صحیح پہلو سے دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ بائیبل میں انسانی پہلو کا ہونا بجائے اس کی عزت

کو کم کرنے کے اُسے اور بھی زیادہ بنی آدم کے لیئے ایک نہایت مناسب مذہبی کتاب ٹھیراتا ہے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو۔ تو بھی اس امر کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔ جب کبھی ہم اس سے قطع نظر کرنے یا منکر ہونے کی کوشش کرتے۔ یا خدا کی تعلیم کی سچائی کو اس امر پہ منحصر کرتے ہیں کہ اس میں انسانی پہلو نہیں ہے۔ تو اس سے ہم اپنے مذہب کے مخالفوں کو ایک بہت بڑا موقعہ حملہ کرنے کا دیتے ہیں ❖

۲

اِنسانی عنصر کی قدر و قیمت

ہم جانتے ہیں۔ کہ خُدا اگر چاہیئے۔ تو بغیر وسیلہ انسانی ذہن یا ہاتھ کے اپنا الہام عطا کر سکتا ہے۔ وہ اگر چاہتا تو ہر روز آسمان سے اپنی سچائیاں بیان کر دیا کرتا یا فرشتوں کے ذریعہ بھیج دیتا۔ یا آسمان پر موٹے موٹے حرفوں میں منقش کر دیتا۔ یا پہاڑوں پر ایسے طور سے لکھ دیتا۔ جو کبھی محو نہ ہو سکتیں۔ اس طور سے وہ ہر ایک طرح کے بگاڑ یا خرابی سے بالکل محفوظ رہتیں۔ اور اس طرح سے وہ ساری دنیا میں ایک ہی دفعہ شائع کی جا سکتیں۔ خدا کے لیئے اِن باتوں میں سے کسی بات کو کرنا ایسا ہی آسان تھا۔ جیسا کہ یہ امر کہ سچائی کو رفتہ رفتہ اور بعض اوقات دھندلے طور سے ناکامل انسانی ذہنوں کے ذریعہ سے ظاہر کرے۔

مگر کیا اس قسم کا مکاشفہ انسان کی ضرورتوں کے لیئے کافی ہوتا؟ اگرچہ ہم بہت کچھ نہیں جانتے۔ مگر یقیناً اتنا تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ بہر صورت خدا کا موجودہ طریق عمل سب سے بہتر ہے۔ فی الواقعہ ہم یہ بھی پوچھ سکتے ہیں۔

کہ اور کون سی تجویز ایسی ہے۔ جو معترض پیش کر سکتا ہے۔ ہر ایک پیغام جو خدا کی طرف سے انسان کو ملے۔ ضرور ہے کہ وہ انسانی قواء کے مناسب حال ہو۔ الٰہی باتوں کو انسان تب ہی سمجھ سکتا ہے۔ جب کہ وہ انسانی فطرت کے قوانین کے مطابق اُس کے سامنے پیش کی جائیں۔ اس لئے اگر ایک پہلے سے گھڑا ہؤا الہام و مکاشفہ ایک پہلے سے گھڑی ہوئی زبان میں آسمان سے نازل کیا جاوے۔ تو ہم اس کو بنی انسان کے ساتھ خط و کتابت کرنے کا ایک مناسب اور طبعی ذریعہ نہیں کہیں گے۔ بہر صورت یہ تو ظاہر ہے کہ خدا نے کسی ایسے طریق کو استعمال نہیں کیا ہے۔ اس نے انسانی ذہنوں کو اپنی سچائی کے ظاہر کرنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے۔ کیوں کہ اسی طریق سے انسانی ذہن۔ جن کے لئے وہ نازل کی گئی۔ اُسے بہتر طور سے حاصل کر سکتے تھے۔ اس نے ان آدمیوں کو جو ہر ایک ملک اور زمانے سے بہت مناسبت رکھتے تھے۔ استعمال کیا۔ اُس نے مختلف خصائل اور طبائع والے آدمیوں کو الہام کیا۔ اُس نے مختلف خیال کے آدمیوں کو منتخب کیا۔ تاکہ اپنی سچائی کے مختلف پہلوؤں کو لوگوں پر ظاہر کرے۔ اور اس طور سے ایک دوسرے کی درستی اور تکمیل کرے۔ ؎

؎ ہم یہاں ایک تمثیل کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے مقدس نیزل ساکن اسکندریہ نے روح القدس کے عمل کو جیسا کہ وہ مختلف آدمیوں پر کرتا ہے۔ بیان کیا ہے " ایک ہی بارش ساری دنیا پر برستی ہے مگر وہ چنبیلی میں سفید اور گلاب میں سرخ اور دوسرے پھولوں میں ارغوانی اور لاجوردی ہو جاتی ہے۔ دراصل تو وہ ایک ہی قسم کی اور لاتبدیل ہے مگر ہر ایک چیز کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے سے اس کی فطرت کے موافق رنگ بدلتی جاتی ہے "

یوحنا جو تنہائی پسند اور تفکر و مراقبہ کا عادی تھا۔ وہ دوسرے انجیل نویسوں کی نسبت اشیاء کو مختلف رنگ میں دیکھتا ہے۔ آتش مزاج اور سرگرم پطرس کی تنگ خیالی اور نیم مہذب و ناتربیت یافتہ دماغ کی تکمیل کے لئے ایک وسیع خیال اور منطقی پولس کی ضرورت تھی جو مسیحی دین کی عالمگیر قدرت و وسعت کا اندازہ لگاتے اور اس قول کی حقیقت سمجھنے کی کہ سب لوگ جو ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کے نزدیک مقبول ہونے کی قابلیت رکھتا تھا۔ حالاں کہ مقدس یعقوب جو ایک یہودی طرز کا مقدس آدمی تھا۔ اور ہمیشہ زندگی کے عملی پہلو پر نظر رکھتا تھا۔ اس بات کو تاڑ گیا۔ کہ کس طرح نجات بالایمان کی تعلیم کے متعلق بھی باآسانی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگ جائیں گے۔ کہ گویا ایمان عمل سے زیادہ اہم ضروری ہے۔ اور اس لئے اس نے ایک دوسرے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی طرح دین و مذہب کی بنیادی سچائی پر زور دیا کہ محض نیکو کاری ہی میں انسان کی شرافت ہے۔

اسی طرح الٰہی روح انسانوں کی زندگی کے مختلف اہم موقعوں پر اُن کے پاس آئی۔ وہ ان کے پاس ان کی خوشی اور غم اور رشک و شبہ اور مایوسی۔ ایمان کی مضبوطی اور آزمائشوں کے جدوجہد کے موقعہ پر آئی۔ اور اس نے انسانی روح کے ذریعے اس کی مختلف حالتوں میں عالمگیر انسانی روح کے ساتھ کلام کیا جو اس کے سوا اور کسی طرح ہرگز نہ کر سکتی۔ اُس نے یشعیاہ کے پرجوش غضب اور یرمیاہ کی غم ناک آہ و زاری کے ذریعہ جو وہ اپنی شریر قوم کی نسبت کرتے تھے۔ کلام کیا۔ اسی نے قدیم زمانے کے زبور نویسوں کے دل کو چھوا۔ اور ہم ان کی کشمکش کا حال سنتے

ہیں جو وہ اپنے غموں اور اپنے گناہوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور نیز ان کی بچّوں کی فریاد و پکار۔ جو اُن کے دل سے زندہ خدا کی طرف اٹھتی تھی۔ اُن کے نوشتوں میں سنائی دیتی ہے۔ اسی نے ہوسیع کے دل میں اپنا الہام ڈالا۔ جو اپنی سب سے دردناک مصیبت پر جو کسی انسان پر پڑنی ممکن ہے۔ یعنی اپنی بیوی کی بے وفائی پر نوحہ زاری کرتا ہے۔ اور اس کے اس غم اور اس غیر تبدیل محبّت کو اس امر کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔ کہ خداوند یہوواہ بھی اپنی نافرمانبردار اُمّت کے لئے اسی طرح افسوس کرتا ہے۔

اسی لئے خدا نے اس طور سے بائیبل کو الہام کیا۔ اس کو اپنے نبیوں کی علمیّت یا صرف و نحو کے قاعدوں کی پابندی کی اتنی پرواہ نہ تھی۔ اُس کے مقصد کے لئے دھڑکنے والا دل۔ تیز آنکھ۔ اور پُر عقیدت دل۔ جو خدا اور انسان کی الفت و محبت سے بھرا ہو۔ زیادہ کار آمد تھے۔ بہ نسبت اس کے تاریخی واقعات کی ذرا ذرا سی باریکیوں یا علمی امور میں سہو و غلطی سے مبرّا ہونے کا خیال رکھنا۔ بھلا یہ ذرا ذرا سی مُردہ باتیں کیا حقیقت رکھتی تھیں۔ بمقابلہ اس ہمدردی کے جو ایک انسان کے دل میں دوسرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور جس سے ایک شخص کے کلام سے دوسروں کے دل میں جوش و تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔

اے مردو اور عورتو۔ اگر تم پاک نوشتوں کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہو۔ تو اس امر کو یقینی جانو۔ خدا انسانی تماشہ گاہ کے پیچھے کھڑا ہوا پتلیوں کا ناچ نہیں نچا رہا۔ تم بائیبل میں انسانی عنصر کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تم نقص اور ناکاملیت اور محدودیت کے خیال سے ڈرتے ہو تم انسانی جذبات اور حسّیات کے تسلیم کرنے سے خوف کھاتے ہو۔ کیوں کہ یہ باتیں

تمہارے ذہن کے تصور سے جو تم الہام کی نسبت رکھتے ہو ٹکراتے ہیں بمت فی رو "خدا کا نور اپنی آسمانی پاکیزگی کو انسانی صورتوں میں منعکس ہونے سے ہرگز نہیں کھو بیٹھتا۔ برخلاف اس کے انسان ایسی ہمدردی کو محسوس کرنے سے جو اس کے سے جذبات اور حسیات کی موجودگی کو بتاتی ہے۔ بہت کچھ فائدہ حاصل کرتا ہے۔" یقیناً خدا کی تدابیر ہماری تدابیر سے زیادہ معقول ہیں بھلا اس سے بڑھ کر کون سا قدرتی طریق ہے۔ جس کے مطابق انسان آسمان کی طرف سے تعلیم حاصل کرتا؟ اس سے بڑھ کر اور کون سا طریق ہے جس سے بائیبل ایسی کتاب بن جاتا جو سارے بنی انسان کے لائق ہو؟

۳

انسانی عنصر کو فراموش کرنے کی خرابی

ایک قدیمی یہودی ربی کا قول ہے۔ کہ "شریعت بنی انسان کی زبان میں بولتی ہے اور بائیبل کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ اگر یہودی ربی اور اُن کے مسیحی پیرو اس بات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھتے۔ کیوں کہ اس قسم کے تراشے ہوئے مسئلوں سے جو عرصے سے مروج چلے آتے ہیں۔ بائیبل کے فطرت انسانی کے مطابق ہونے کی خوبی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

انسانی روح کی آواز اس کی مختلف حالتوں میں جو بائیبل کے صحیفوں میں سنائی دیتی ہے۔ اگر ہم اُسے فی الحقیقت اپنی ہی جیسی روح انسانی کی آواز سمجھیں۔ تو وہ کیسی ہی دل پر اثر کرنے والی ہو گی۔ اور کیسی دلچسپی کے ساتھ ہم لوگوں کو اپنی آزمائشوں اور امتحانوں کے ساتھ جدوجہد کرتے یا زندگی کے اسرار کی بابت سوال کرتے دیکھیں گے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو گا۔ کہ یہ لوگ خاص

کروہ جن کا ذکر ہم عہد عتیق میں پڑھتے ہیں۔ ہمارے جیسے معمولی ناکامل انسان ہیں۔ جن میں خدا کا بڑا عظیم الشان کام جس سے وہ لوگ کے چال چلن اور خصائل کو درجہ بدرجہ نشو ونما دے کر کمال کی طرف لے جاتا ہے۔ جاری ہو رہا ہے۔ اور یہ کہ آدمی رفتہ رفتہ روح قدس سے نور حاصل کر کے شرافت کے اعلیٰ مدارج کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔ اور اسی کے اثر کے نیچے یہ لوگ اپنے اپنے خیالات اور امنگوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ نہ یہ کہ فونوگراف کی طرح عالم بالا کے سکھائے ہوئے الفاظ کو دہرا رہے ہیں*

جب دنیا کے تاریک زمانوں میں پیشتر اس کے کہ کامل مکاشفہ جلوہ گر ہوا۔ ایک خدا شناس آدمی ایک مایوسی و اضطراب کے دریا میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس حالت میں قبر کو ساری چیزوں کا انجام سمجھنے لگتا ہے۔ تو ہمیں یہ کوئی تعجب کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بالکل انسانی فطرت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اور اگر ہمیں اس بات پر تعجب ہو۔ کہ کیوں اس کے اس قسم کے الفاظ کاٹ نہیں ڈالے گئے پیشتر اس کے کہ اس کی تحریرات بائیبل میں شامل کی گئیں۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ بلا شبہ خدا کو یہی منظور تھا کیونکہ اس کا مقصد اس طور سے اچھی طرح پورا ہوتا ہے۔ اور جب ہم اور الفاظ دیکھتے ہیں۔ جو جنگ و جدال کے زمانوں میں لکھے گئے۔ جو مسیح کی رُوح کے ساتھ محبت و ملائمت کے لحاظ سے میل نہیں کھاتے۔ تو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے آدمی ہی تھے۔ مگر ایسے آدمی جو اگرچہ الہام یافتہ تھے۔ تاہم اُنہیں ابھی تک پورے طور پر تعلیم حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ اُن کے طبعی جذبات ابھی تک پورے طور پر روح القدس کی تاثیر سے مغلوب اور پاک صاف ہوئے تھے۔ ہمیں تاریخ کے

اور واقعات کی طرح اُن کو بھی ان کی طبعی حیثیت کے موافق سمجھنا چاہیئے۔ گو ہم اُن کی دعاؤں کو مسیحی روح کے موافق نہیں سمجھتے۔ مگر باوجود اس کے بھی ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ خدا پرست آدمی تھے۔ اور ہم ان سے فرائض کی بجا آوری کے متعلق عمدہ عمدہ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ وہ اس معاملہ کی پیروی میں جسے وہ درست اور خدا کا معاملہ سمجھتے تھے۔ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے؎

ہم اپنی ہمدردی کے ذریعے ان کے حسیات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ان کی تاریخ کو اس کے طبعی معنوں کے مطابق پڑھتے ہیں مگر جب ہم تاریخ بائیبل میں کوئی واقعہ پڑھتے ہیں گویا کہ وہ دنیا کے تاریک زمانوں میں ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ تو ہمارے پہلے ہی سے ٹھانے ہوئے خیالات کے سبب جو ہم بائیبل کی ٹھہرا کر چکے ہیں۔ اس واقعہ کی طبعی صورت پہلے ہی سے اس میں خارج کر دی جاتی ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ واقع بائیبل میں ہے ہم ان لوگوں کو جن کا اُس میں ذکر ہے۔ معمولی قسم کے حقیقی آدمی نہیں سمجھتے۔ ہم اس امر کو بھول جاتے ہیں۔ کہ خدا نے ناکامل آدمیوں کو اپنی تعلیم کا ذریعہ ٹھیرایا۔ اور وہ آدمی ایک ہی دفعہ چھلانگ مار کر اپنی روحانی تعلیم کی چوٹی تک نہیں پہنچ گئے۔ اور اس لئے بجائے اس کے کہ ہم ان کے غضبناک ہو کر انتقام کے لئے پکار اٹھنے کے ساتھ ہمدردی کریں بجائے اس کے کہ ہم اُن کی اس فریاد پکار کو ایسا ہی سمجھیں جیسے کہ ایک بچہ چوٹ کھا کر چلا اٹھتا ہے۔ اور اپنے باپ کے پاس بھاگا جاتا ہے۔ ہم اس کو "کلام الٰہی" پر ایک دھبہ سمجھنے لگتے ہیں؎

ہمارے لئے اس امر کو سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح قوی مزاج

اور غضب ناک محبّ وطن، جو خدا اور وطن کے لئے خوشی سے اپنی جان دے دیتے۔ اپنی چاروں طرف بے رحمی اور ظلم کا دور دورہ دیکھ کر سخت جوش و غضب کی حالت میں اس قسم کی انتقام و کینہ آمیز دعائیں لکھ گئے۔ جیسی کہ ہم زبور کی کتاب میں پڑھتے ہیں؟ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہم نے بائیبل میں سے انسانی عنصر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ خدا کو چاہئیے تھا۔ کہ ان آدمیوں میں جوش و غضب نکال کر انہیں محض پتلیوں کی طرح بنا دیتا۔ پیشتر اس کے کہ اس نے انہیں اپنے ہم جنسوں کو تعلیم دینے کے لئے منتخب کیا۔ ہم اس طور سے تمام انسانیّت اور طبعی جذبات کو ان میں سے خارج کر دینا چاہتے ہیں۔ پھر کہیں ان کے الہامی ہونے پر یقین کریں گے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ خدا اس قسم کی کلوں کو استعمال کرتا۔ نہ ایسے جوش و تحریک سے بھرے ہوئے آدمیوں کو۔ خیر کچھ ہی ہو مگر خدا نے ایسا نہیں کیا۔ خدا نے آدمیوں ہی کو استعمال کیا۔ اور جس قدر جلدی ہم اس واقعہ کو تسلیم کریں گے۔ اسی قدر صحت و صفائی کے ساتھ ہم بائیبل کو پڑھنا اور اُس کا صحیح مطلب سمجھنا سیکھ لیں گے۔

۴

الٰہی عنصر کی انسانی عنصر کے ساتھ آمیزش

ہمیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بائیبل میں انسانی عنصر کی موجودگی پر خاص طور پر زور دیا جائے۔ یہ پہلو اس وقت تک اکثر مذہبی لوگ فراموش کرتے رہے ہیں۔ اور یہی غفلت ایک بڑی حد تک موجودہ بے چینی کے لئے جواب دہ ہے۔ مگر دوسری جانب گذشتہ صدی کے مطالعہ بائیبل

سے یہ امر بھی زیادہ زیادہ واضح ہوتا رہا ہے۔ کہ یہ انسانی عنصر بائیبل میں لوگوں کے خیال کی نسبت کہیں زیادہ پایا جاتا رہا ہے۔ اور اس کے مصنفوں کو اپنے اقوال کے استعمال میں بہت زیادہ آزادی رہی ہے۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بائیبل کی صحیح معرفت کے لئے اس پہلو کو بھی ہماری نظروں کے سامنے خاص طور پر وقعت دی جائے ؛

علاوہ بریں چونکہ ہمارے زمانہ میں الہام و مکاشفہ کے انسانی پہلو پر بہت ہی زور دیا جا رہا ہے۔ اس لئے اور بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم الہٰی پہلو کو نظرانداز نہ کر دیں۔ انسانی خیالات کی تاریخ کے مطالعہ سے ہم یہ سیکھتے ہیں۔ کہ اس کا میلان ہمیشہ اِس طرف رہتا ہے۔ کہ گھڑی کے پنڈولم کی طرح کبھی ایک جانب کو دور تک چلے جائیں۔ کبھی اس کی مخالف سمت کو۔ اور جس قدر ایک طرف زیادہ جائیں گے۔ اسی قدر دوسری سمت کو اور بھی زیادہ دور تک جا پہنچیں گے۔ اس لئے ہم کو اس خطرہ سے اپنی حفاظت کرنی چاہیئے۔ جب کہ ہم اس امر کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ہم کو تعلیم دینے کے لئے انسانی وسیلہ کو استعمال کیا ہے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ فقط ایک وسیلہ ہی ہے۔ اور وہ جو اُس کے پیچھے اور اس کے اندر اور اُس کی تہ میں ہے۔ وہ خدا کی روح کی قدرت ہے ؛

ہم الہٰی اور انسانی عنصر کے درمیان ایک خط فاصل نہیں کھینچ سکتے۔ ہم اس کے کسی حصہ کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ "یہ انسانی ہے" "وہ الہٰی ہے۔" بعض حصّوں میں۔ جیسے کہ اناجیل میں الہٰی پہلو زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے حصوں میں۔ جیسے کہ تواریخ کی کتابوں میں۔ انسانی پہلو زیادہ

معلوم دیتا ہے۔ وہ بطور ایک سونے کی کان کے ہے۔ جس میں سونا مٹی اور پتھر سے ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ کہیں سونے کی مقدار کم ہے کہیں زیادہ مگر سب کا سب سونے کی موجودگی کے سبب درخشاں معلوم ہوتا ہے یا یوں کہو کہ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسی سورج کی کرنیں رنگین شیشوں والی کھڑکی میں سے گذر رہی ہوں۔ شعاعیں ان شیشوں میں سے گذرنے کے سبب رنگین نظر آئیں گی۔ ہم ایسی روشنی کسی اور طرح حاصل نہیں کر سکتے۔ بعض حصّوں میں تو یہ توسل کی چیز ذرا موٹی اور ناکامل سی ہے۔ بعض حصوں میں روشنی اپنی چمک دمک کے سبب آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے مگر یہ روشنی ان رنگوں سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ اور ہر ایک شعاع میں نور اور رنگ ملا جلا نظر آتا ہے۔ مگر اس توسل کی موجودگی کو نظر انداز کر دینا سخت حماقت ہوگی۔ کیوں کہ اس سے غلط فہمی اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ اور آدمی خواہ مخواہ ایک حیرت و تعجب میں پڑ جاتا ہے۔ کہ کیوں خالص روشنی ہمیں نہیں ملتی مگر اس سے بڑھ کر حماقت کی یہ بات ہوگی۔ کہ ہم خود روشنی ہی کو نظر انداز کر دیں۔ اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ رنگین گنبد بجائے خود منور ہے۔ اور یہ جسے ہم آسمانی روشنی سمجھے بیٹھے ہیں۔ خود زمین سے ہی ہے۔ خدا کی روح کے سوا کوئی اعلیٰ تعلیم نہیں مل سکتی۔ اور نہ روح انسانی کے لئے کوئی حقیقی نور ہے۔ مگر وہی "نور جو دنیا میں آکر ہر ایک آدمی کو روشنی بخشتا ہے"۔

۵

لکھا ہوا کلام اور کلام جو خود مسیح ہے۔

بائیبل میں الٰہی اور انسانی عنصر کے یکجا موجود ہونے کی سب سے

CamScanner

عمدہ مثال خود ہمارا خداوند ہے۔ جس میں دو طبیعتیں۔ یعنی الٰہی اور انسانی مجتمع تھیں نہیں۔ بلکہ اِسے محض مثال سے بڑھ کر کہنا چاہیئے۔ کیا لکھا ہُوا کلام الٰہی اور کلام جو خود مسیح ہے۔ یہ دونوں مکاشفے خُدا نے انسانیت ہی کے ذریعہ سے انسان کو عطا نہیں کئے۔ اور کیا یہی امر ایک بڑی حد تک اس اس مطابقت کو ثابت نہیں کرتا؟ کیا یہ لکھا ہوا کلام اسی ہستی کی ناکامل اور انسانی تصویر نہیں۔ جو باطنی ماہیت اور فطرت کے لحاظ سے ہمارے علم سے باہر ہے؟ اور کیا بڑے ادب و عزت کے ساتھ اس ابدی "کلام" کی نسبت بھی یہی بات نہیں کہہ سکتے۔ جو "ابتدا میں خدا کے ساتھ اور جو خود خدا تھا"؟

ان دونوں میں الٰہی اور انسانی عنصر کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس (مسیح) میں الٰہی فطرت کمزور انسانیت کا برقع پہنے ہوئے ہے۔ اس (لکھے ہوئے کلام) میں الٰہی روح ناکامل انسانی ذہنوں اور ناکامل انسانی زبان کے ذریعہ اپنے کو آشکارا کر رہی ہے۔ اس میں الوہیت اپنے پر قدرت معجزے اور غیر مرئی عالم کے مکاشفے جلوہ گر کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی کمزوری اور تکان اور بھوک اور دکھ کے ذریعے ظاہر ہو رہی ہے۔ اس میں الٰہی عنصر اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور نبوت اور مکاشفہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور انسانی عنصر جذبات اور بے صبری کی حرارت اور مایوسی اور خوف کی برودت میں آشکارا ہو رہا ہے۔ اس میں خدا کے عظیم الشان کلمات اور راست بازی اور آنے والے عالم کے راز روزمرہ کی معمولی باتوں۔ یعنی کھانے، پینے رہنے سہنے کے معمولی فقرات کے ساتھ ملے جلے سنائی دیتے تھے اس میں نبوت اور مکاشفہ اور نیکی اور شرافت کے الٰہی سبق معمولی قصہ کہانیوں اور کرسی ناموں

باب چہارم

کیا بائیبل سہو و خطا سے مبّرا ہے

اِنسان کے بنائے ہوئے مسئلے کیا دعوے کرتے ہیں؟

میں اِس کتاب میں برابر اس امر کا بیان کرتا چلا آیا ہوں۔ کہ بہت سی مشکلات جو لوگوں کو جو بائیبل کے متعلق پیش آتی ہیں۔ ان کی بنا زیادہ تر اُن کے غلط خیالوں پر ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے متعلق بعض ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جن کے لئے اُن کے پاس کوئی سند نہیں۔ اور پھر یہ اُمید کرتے ہیں۔ کہ بائیبل ہمارے ان خیالات کے برعکس ثابت نہ ہو۔ ان سب میں سے دو خیال سب سے بڑے ہیں۔ اور بہت سی بڑی بڑی مشکلات انہیں سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس باب میں ہم ان میں سے ایک پر بحث کریں گے۔

پہلا خیال۔ خدا کی اخلاقی اور روحانی سچائیوں کی تعلیم کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے معلموں کو ہر طرح کی سہو و خطا سے محفوظ رکھے۔

یا دوسرے لفظوں میں۔ اگر بائیبل الہامی کتاب ہے۔ تو وہ ہر قسم کی لغزش سے پاک ہونی چاہیئے خواہ مذہبی امور میں خواہ غیر مذہبی امور میں جو اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ضرور ہے کہ اس کے لکھنے والے ہر ایک تفصیلی امر میں بھی

سے بہت سے تعصبات دور ہو جائیں گے۔ جن کا دور ہونا بائیبل کی صحیح معرفت کے لیئے نہایت ضروری ہے۔ شائد اس امر پر غور کرتے کرتے کسی کی توجہ اس بات کی طرف بھی پھر جائے کہ کس طرح یہودی کسی "آنے والے" کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر وہ ایک شخص کے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جو غلط تھا۔ اور اس لئے جب ایک غریب مسیح ظاہر ہوا۔ تو اُسے بڑھئی کا بیٹا سمجھ کر انہوں نے رد کر دیا۔ شائد بعض اپنے دل سے یہ سوال بھی پوچھ بیٹھیں کہ "اگر یہ غلط تصور اس زمانہ میں مسیح کو قبول کرنے میں رکاوٹ کا باعث ٹھیرا۔ تو کیا ممکن نہیں کہ ایسا ہی غلط تصور ہمیں بائیبل کی قبولیت سے روک رکھے؟ اگر مسیح کو یہ کہنا پڑا۔ تو کیا بائیبل بھی زبان حال سے نہیں کہہ سکتی کہ "مبارک ہے وہ جو میرے میں ٹھوکر کا موقعہ نہ پائے"؟

اور تاریخی واقعات کے ساتھ جن کا بعض اوقات آج کل کی زندگی کے ساتھ کچھ بھی واسطہ و تعلق نظر نہیں آتا۔ مخلوط پائے جاتے ہیں۔

اس (مسیح) میں بھی حکمت نے رفتہ رفتہ نشو و نما حاصل کیا۔ اگرچہ وہ بچپن ہی سے ہمہ دان ہوتا۔ تو وہ کامل انسان نہ ہوتا۔ اسی طرح اس کلام میں بھی ہم ایسا ہی نشو و نما۔ ایسی ہی اخلاقی اور روحانی تعلیم میں تدریج ترقی پاتے ہیں۔ جس میں الٰہی رازوں کا مکاشفہ رفتہ رفتہ زیادہ صاف اور واضح ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسا کہ خود خداوند نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ عہد عتیق کے زمانے کی تعلیم عہد جدید کی تعلیم سے ادنٰے درجے پر ہے نہیں بلکہ کسی قسم کی بے ادبی کے مجرم ٹھیرنے کے بغیر ہم اس مقابلہ کو اور بھی پرے لے جا سکتے ہیں۔ اس (مسیح) میں اس کی زمینی زندگی کے خاتمہ تک بھی علم کے لحاظ سے خاص حدود پائی جاتی تھیں۔ جو اس کی انسانیت کی وجہ تھیں مثلاً وہ فرماتا ہے۔ کہ "اس دن اور اس گھڑی کو کوئی آدمی نہیں جانتا۔۔۔ ۔۔۔ بیٹا بھی نہیں بلکہ باپ" بھلا اگر خود اس کلام کا یعنی مسیح کا یہ حال تھا۔ تو کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے۔ کہ لکھے ہوئے کلام میں لکھنے والے کے انسانی جہل و بے علمی کے نشان پائے جائیں۔ اور وہ لوگ ایسی باتوں سے جن کا آشکارا ہونا خدا نے انسانی تحقیقاتوں اور دریافتوں کے ذریعہ سے ٹھہرایا تھا۔ ناواقف پائے جائیں؟

مگر ہم اس مضمون پر ایک علیحدہ باب میں بحث کریں گے۔ لیکن ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ ناظرین اپنے طور پر اس مشابہت اور مطابقت پر جو بائیبل اور ہمارے خداوند کی ذات کے درمیان ہے۔ اور جس کا ہم نے یہاں محض اشارتاً ہی ذکر کیا ہے۔ خوب غور و فکر کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس طور

غلطی سے محفوظ ہوں۔ اس کے تاریخ یا علم الارض۔ یا علم ہیئت کے متعلقہ بیانات کو علمی لحاظ سے بالکل صحیح ماننا چاہیئے۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ اس زمانہ کے مروّجہ و مسلمہ خیال ہیں۔

جس زمانہ میں وہ صحیفے لکھے گئے۔ لکھنے والوں کی لاعلمی یا ان نوشتوں کی غلط بیانی سے جن سے وہ واقعات اخذ کئے گئے۔ کسی قسم کی غلط بیانی یا سہو وخطا کے واقع ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اس خیال سے خواہ مخواہ یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص یہ دکھا دے کہ ان تین ہزار سال کے پرانے مصنفوں نے کوئی ایک بھی علمی یا تاریخی بیان لکھا ہے۔ جس کا غلط ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ تو ہمیں بائبل کے الہامی ہونے کی نسبت اپنا اعتقاد ترک کر دینا چاہیئے۔

یہ دعویٰ واقعی خطرناک ہے۔ مگر باوجود اس کے بہت سے دیندار لوگ سچے دل سے اسے مانے بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر لی صاحب نے "الہام" پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو اکثر لوگوں کے نزدیک مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس میں ایک فقرہ لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جغرافیہ یا تاریخ کے متعلق تفصیلی باتوں میں اور نیز علم طبعیات کے متعلق جو بیانات بائبل میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک کتاب کے ہر ایک حصّے میں ہر طرح کی سہو و خطا سے مبرّا اور بالکل صحیح ماننے چاہئیں۔ اب میں ہاج صاحب کے اس قول کو بھی نقل کرتا ہوں۔ "خدا مقدس نوشتوں کے لکھنے والوں کے کام کی نگہبانی کرتا تھا۔ اور اس کی غرض و مقصد یہ تھا۔ کہ ان کی تحریر غلطی سے بالکل خالی رہے۔" ایک دوسرے صاحب لکھتے ہیں کہ "اگر علم طبعیات کے متعلق کوئی غلطیاں بائیبل میں نظر آئیں۔ تو بائیبل خدا کی جانب سے نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم ثابت کئے دیتے ہیں۔ کہ اس میں ایسی کوئی

غلطی نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے مخالفوں سے تحدی کرتے ہیں۔ کہ وہ ساری بائیبل میں سے کوئی ایسی غلطی نکال دیں۔" اور ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ" یہ مستند ہونا اور سہو وخطا سے مبرا ہونا صرف مکاشفہ ہی سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ان الفاظ سے بھی جن میں وہ مکاشفہ دیا گیا ہے۔ پاک نوشتوں میں غلطی کا پایا جانا صرف ہماری تعلیم ہی کی تردید نہیں کر دیتا۔ بلکہ بائیبل کے دعاوی کی بھی۔ اور اس لئے اُس کے الہام کی بھی جس نے یہ دعوے کئے۔"

لیکن اگر فقط یہی بات ٹھیک ہو کہ ایک غلطی کے ثابت ہونے سے الہام سے انکار کرنا لازم ٹھیرتا ہے۔ تو ہمیں ہر طرح سے اس بات پر زور دینا چاہیئے۔ تاکہ ہمارے عقائد میں فرق نہ آنے پائے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے۔ تو یقیناً وہ لوگ بلا ضرورت بائیبل کو معرض خطر میں ڈال رہے ہیں۔ اور اپنے شکی بھائیوں کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں اور ملحدین کو خواہ مخواہ حملے کا موقعہ دے رہے ہیں۔ اس لئے ہم سوال کرتے ہیں کیا یہ بات درست ہے؟ نہیں۔ بلکہ یہ سوال کریں گے کہ کیا اس بات کے ماننے کے لئے کوئی سند بھی ہے؟[1]

۲

نوشتوں کا دعوی کیا ہے؟

میں یہاں بشپ بٹلر کے الفاظ کو جن کا آگے بھی حوالہ دے چکا ہوں پھر دوہراتا ہوں۔" ہم پہلے ہی سے حکم نہیں لگا سکتے۔ کہ کس طریق سے اور کس تناسب

---

[1] بٹلر صاحب کی انالوجی حصہ دوم باب ۳۰

سے ہم کو اس میں بالائی فطرت اور روشنی اور ہدایت کے پانے کی اُمید رکھنی چاہیئے۔ نوشتوں کے اختیار کے متعلق فقط یہی سوال ہونا چاہیئے۔ کہ آیا وہ وہی ہیں جس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ آیا یہ کتاب فلاں قسم کی ہے۔ یا فلاں طور سے شائع کی گئی ہے۔ جیسا کہ بعض کمزور عقل والے آدمی خیال باندھ بیٹھا کرتے ہیں۔ کہ الٰہی مکاشفہ والی کتاب کو ایسا اور ایسا ہونا چاہیئے۔ اور اس لئے نہ تو اس کی متشابہات۔ نہ عبارت کی ظاہری غلطیاں۔ نہ اس کے لکھنے والوں کی بابت قدیم زمانہ کے جھگڑے۔ نہ اسی قسم کی کوئی اور بات۔ خواہ وہ موجودہ صورت سے بھی کہیں بڑھ کر کیوں نہ ہو۔ پاک نوشتوں کے اختیار و سند کو ضائع کر سکتی ہے مگر اس صورت میں کہ نبیوں اور رسولوں اور ہمارے خداوند نے یہ وعدہ دیا ہو۔ کہ وہ کتاب جس میں الٰہی مکاشفہ درج ہو۔ ان ان باتوں سے محفوظ و مبرا ہونی چاہیئے"۔

اب کیا رسولوں اور نبیوں اور ہمارے خداوند نے کبھی یہ وعدہ دیا ہے کہ کتابِ مقدس ایسی باتوں سے بری ہونی چاہیئے؟ کیا بائیبل نے کہیں اپنے لکھنے والوں کی نسبت ایسا عالمگیر دعوےٰ کیا ہے؟ کیا کسی بائیبل کے صحیفے کے لکھنے والے نے یہ دعوےٰ کیا ہے۔ یا اُس کے کلام سے یہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ اُسے خدا کی طرف سے ایسی رہنمائی حاصل تھی۔ کہ وہ اپنی کتاب کی چھوٹی چھوٹی تفصیلی باتوں میں بھی خطا و غلطی کے امکان سے محفوظ رہے گا۔ یا کیا ان میں سے بعض مصنفوں نے اپنے سے پہلے مصنفوں کے حق میں اس قسم کی شہادت دی ہے؟ یا کوئی مصنف اس قسم کی تحریر چھوڑ گیا ہے۔ کہ اُسے خاص الہام کے ذریعے یہ حکم ملا ہے۔ کہ باقیوں کے سہو و خطا سے مبرا ہونے پر گواہی دے۔

یقیناً کوئی اسی قسم کا بیان دکھایا نہیں جا سکتا۔

لیکن شائد کوئی کہے کہ یقیناً فقط الہام کا ہونا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ بائیبل میں ذرا سا سہو و خطا ہونا بھی غیر ممکن ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر خدا کا منشاء معمولی صحت و درستی والی تاریخوں سے جیسے کہ ہمارے آج کل کی انگریزی یا ہندوستانی تاریخیں ہیں۔ ایسا ہی کامل طور پر سرانجام ہو سکتا ہے۔ تو ہم کو اس بات کے فرض کرنے کا کوئی حق نہیں کہ اس نے بائیبل کے مصنفوں کو اس قدر روشنی بخشی کہ وہ ذرا سی تفصیلی باتوں میں بھی جن کا کتاب کی اصلی غرض سے کوئی واسطہ نہیں۔ غلطی نہ کھائیں۔ مثلاً عہد عتیق میں الہامی مصنّف ہمیں اطلاع دیتا ہے۔ کہ ان کی تاریخ کا بہت سا حصہ قدیم گم شدہ ذریعوں سے مثلاً جد اور ادوغیب ہیں۔ اور اسرائیل اور یہوواہ کے دفتروں میں سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس ان قدیمی طوماروں کے اور لوگوں کی قومی تاریخوں کے غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں مگر یقیناً ہمیں یہ فرض کر لینے کا بھی حق نہیں ہے۔ کہ اُن میں سے کسی بات میں بھی مثلاً لاویوں کے شجرہ نسب، یا شاہ سلیمان کے گھوڑوں کی تعداد کے بیان کرنے میں بھی کسی قسم کی غلطی کو راہ نہیں۔ اور اگر ایسی غلطی ہوئی بھی تو خدا نے ایک معجزہ کے ذریعے اسے درست کر دیا۔ اگر بالفرض ایسی کامل صحت و درستی اس کے اصلی مدّعا کے لئے ضروری ٹھہرتی تھی۔ اس امر کو ہم فوراً آگے چل کر اچھی طرح سے سمجھ سکیں گے۔

اگر ناظرین میری ان تمام دلائل پر لحاظ کرتے آئے ہیں۔ جن کی بنا پر میں نے لفظی الہام کے مسئلہ کو رد کیا ہے۔ تو انہوں نے معلوم کر لیا ہوگا کہ جب تک اُسے براہ راست بائیبل سے اس امر کا ثبوت نہ ملے۔ اُس کا کوئی حق نہیں کہ بائیبل کے کسی مصنّف کے حق میں سہو و خطا سے مبرا ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ اگر وہ محض بطور قلم کے یا منہ کے ہوتا۔ جسے رُوح قدس نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے استعمال کیا

تو ہم کہہ سکتے تھے۔ کہ اس کی تحریر غلطی سے خالی ہونی چاہیئے لیکن اگر یہ بات سچ نہیں ہے۔ کہ بائیبل کی تاریخی کتابوں کے لکھنے والے بغیر امداد قدیمی نوشتوں کے لکھنے پر قادر تھے۔ اور قدیمی تاریخوں کے سنین اور واقعات ان قدیمی نوشتوں کے دیکھے بغیر صیحح طور پر معلوم کر سکتے تھے۔ اگر انہیں بھی ہمارے زمانے کے مورخوں کی طرح انبیاء جماعتوں کی تحریروں اور یاشر یا جنگ نامہ یہوواہ جیسی قدیمی کتابوں اور پرانی روایتوں اور گاؤں اور شہروں اور سرکاری دفتروں سے، اپنے حافظہ اور اپنے ہم عصروں کی شہادتوں کے ذریعہ سے اپنی کتابوں کا مصالحہ جمع کرنا پڑتا تھا۔ تو اس صورت میں اس قسم کا دعویٰ کرنا یقیناً حد سے باہر جانا ہے۔ کہ ان کی تاریخی یا علمی معلومات یا بیانات کی تمام تفصیلی باتیں بھی سہو و خطا کے امکان سے بری ہیں ؟

اور میں پھر کہے دیتا ہوں کہ اس قسم کا دعویٰ کتاب مُقدّس میں کہیں نہیں کیا گیا۔ لکھنے والے کبھی اس امر کے دعوے دار نہیں ہوئے۔ کہ ان کی تحریر غلطی سے مبّرا ہے اگر ہم ان کے حق میں اس قسم کے دعوے کرنے لگ جائیں تو یقیناً اس میں اُن کا کچھ قصور نہیں ہے۔ کیوں کہ ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا بائیبل۔ خاص کر عہدِ عتیق ہم کو اس قسم کے دعوے کرنے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ الہامی تاریخ نویس بار بار یہ بتانے کو اپنا قطع کلام کرتے ہیں۔ کہ ان کی تاریخیں براہ راست خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنا مصالحہ قوم کے دوسرے غیر الہامی نوشتوں سے جمع کیا ہے۔ سلاطین اور تواریخ کی کتابوں کے مصنف ایک ہی واقعہ کی متوازی تاریخیں لکھتے ہیں جو تفصیلی امور میں ایک دوسرے سے ہرگز اتفاق نہیں کرتیں۔ اور بعض اوقات ایسے اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جنہیں باہم تطبیق دینا امکان سے باہر ہے مگر وہ اسی قسم کے اختلافات ہیں۔ جیسے کہ عمدہ قابل اقتباس تاریخوں کے باہمی مقابلہ سے دریافت ہوتے ہیں۔ ایسے اختلافات جن کی غیر موجودگی اس امر کی دلیل سمجھی جائے گی۔ کہ انہوں نے باہم صلاح کر کے ان تواریخ

کو لکھا ہے۔ یا ایک نے دوسرے کو نقل کیا ہے مگر ممکن ہے۔ کہ ان اختلافات میں بھی تطبیق ہو سکتی۔ اگر ہم کو سارے واقعات کا علم ہوتا۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو سکتی۔ لیکن جو شخص بائبل کی حقیقت سے واقف ہے۔ اسے اس امر کی کچھ بھی پروا نہیں کرنی کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں۔ مگر ان اختلافات کی موجودگی اس شخص کو جھٹلا رہی ہے۔ جو بائبل کے الہام کو ایسی چھوٹی چھوٹی تفصیلی باتوں کی صحت و درستی پر موقوف کرتا ہے*

۳

عام عقل و تمیز کیا چاہتی ہے؟

تو خدا نے کہیں بھی نہیں کہا کہ الہام کے لئے ہر مضمون مرقومہ کی صحت و درستی ایک لازمی امر ہے۔ مگر تو بھی یہی دعوے کیا جاتا ہے۔ اور اس قسم کے تمام مسئلوں کی بنیاد بھی اسی خیال پر ہے۔ کہ "اگر بائبل میں کسی قسم کی غلطی کی گنجائش ہو۔ خواہ اس بات کا تعلق اخلاقی یا مذہبی امور سے نہ بھی ہو۔ تو بائبل قابل اعتبار نہ ٹھیرے گی۔ اور انسان کی رہنما بننے کے لائق نہ ہوگی۔ اگر وہ ہر بات میں غیر متزلزل یعنی لغزش اور سہو و خطا سے مبرا نہیں۔ تو ہم کو کیسے یقین آئے۔ کہ وہ ان کی سچائیوں کی نسبت بھی جو نہایت ہی اہم و ضروری ہیں۔ سہو و خطا سے پاک ہے؟"

لیکن کیا بائبل پر اس طور سے حکم لگانا قرین عقل بات ہے؟ کیا ہم دوسری باتوں کے علم پر اسی طور سے حکم لگایا کرتے ہیں؟ کیا یہ ضرور ہے۔ کہ ایک آدمی ہر ایک بات میں غلطی سے مبرا ہو جب کہیں وہ کسی ایک امر میں ہمارا رہنما بننے کے لائق ٹھیر سکتا ہے؟ کیا یہ ضرور ہے۔ کہ ایک طبیب کاشتکاری اور کان کھودنے اور قانون دانی اور جہاز رانی وغیرہ علوم میں طاق ہو۔ تب کہیں وہ ہماری صحت و تندرستی

کے معاملات میں رائے دینے کے لائق ٹھیرے گا؟ کیا ہم کسی واعظ کے عقائد کی درستی پر شک کرنے لگتے ہیں۔ اگر بالفرض وہ کسی کے قول کو نقل کرتے ہوئے اُس کے مصنف کے نام میں غلطی کر بیٹھے؟

نہیں بلکہ جب ہم خدا کے طریقوں پر جن سے وہ ہمیں معمولی علم عطا کرتا ہے۔ غور کرتے ہیں۔ تو کیا ہم کو یہ امر صاف نظر نہیں آتا کہ اس کے مذہبی معلموں کیلئے ہر امر میں لغزش سے آزاد اور محفوظ ہونا ضروری امر نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اُس کا معمولی قاعدہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک شخص کو اس قسم کے قوائے اور ملکات عطا کرتا ہے جن کی مدد سے وہ ایک خاص قسم کے عُلوم کو مطالعہ کر سکے۔ گو کہ دوسرے علوم کے لحاظ سے وہ نسبتاً جاہل رہتا ہے مثلاً شاعری یا مصوری یا موسیقی یا ریاضی میں جو مشہور و معروف علما و فضلا گذرے ہیں۔ وہ اپنے دائرہ علم سے باہر کی باتوں سے کچھ ایسے واقف کار نہیں تھے۔ اگر ایسے امور میں خدا کا یہ عام قاعدہ ہے۔ تو کیا اس سے یہ قیاس کرنا نامناسب ہے۔ کہ مذہبی تعلیم کے بارے میں بھی اس نے یہی وطیرہ اختیار کیا ہوگا۔

البتہ یہ تو ممکن ہے۔ کہ اگر خدا کی مرضی ہو تو وہ ہر ایک الہامی شخص کو عالم کے تمام اسراروں اور رازوں کے متعلق کامل طور پر غیر خاطی اور عالم کل کر دیتا مگر سوال یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے پاس ایسا یقین کرنے کی وجوہات ہیں۔ کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ اور کیا اس کے مقصد و مدعا کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ایسا کرتا؟

نہیں ہمیشہ خدا کے غیر معلوم کاموں کا اس کے معلوم کاموں کی نسبت و شباہت کے موافق تصفیہ کرنا چاہیے۔ اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہر بات میں کفایت کا لحاظ رکھتا ہے۔ نہ کاملیت کا۔ یعنی یہ دیکھتا ہے۔ کہ اس کے مدعا کے حصول کے لئے کونسی بات کافی ہو سکتی ہے۔ نہ یہ کہ وہ کاملیت کے ذہنی تصور کے مطابق ہو۔ اب ہم

دیکھیں گے کہ آیا اس بارہ میں اسی اصول پر عمل ہوا ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اس امر کو تحقیق کرنا چاہیئے کہ خدا کا مدعا ہمیں بائیبل کا دینے میں کیا تھا تب ہم اس امر کا فیصلہ کر سکیں گے۔ کہ آیا کامل طور پر سہو و خطا سے مبرا ہونا اس مدعا کے حصول کے لئے ضروریات سے تھا؛

۴

پاک نوشتوں کا مقصد

اس سوال کا جواب دینے کو الہام سے خدا کی غرض اور مدعا کیا ہے۔ سب لوگ آمادہ ہیں۔ اور اس بارہ میں اختلاف رائے بھی بہت کم ہے۔ لیکن پھر بھی یہ نہایت ہی اہم سوال ہے۔ کیونکہ اس کا جواب کو بڑی احتیاط سے برابر مدنظر رکھنے سے ہم اچھی طرح دیکھ سکیں گے کہ بہت سی متنازعہ فیہ باتیں جو ساری موجودہ بے چینی کا باعث ہیں کیسی غیر اہم اور ہلکی ہیں؛

تو الہام کی غرض و مدعا کیا ہے؟ کیا اس کی غرض یہ ہے۔ کہ ہم کو علم الارض یا علم ہیئت کے مسائل کے متعلق صاف اور بے خطا علم حاصل ہو جائے۔ یا یہ کہ وہ ہمیں بتائے کہ خدا نے زمین کو کس طرح خلق کیا؟ کیا اس کا یہ منشا ہے کہ ہم بنی اسرائیل کی تاریخ کے متعلق غلطی کھانے سے محفوظ رہیں۔ یا یہ کہ ہمیں اس کے تمام بادشاہوں کے عہدِ حکومت کا صحیح صحیح زمانہ بتائے اور یہ کہ فلسطین کے باشندوں کی باہمی خانہ جنگیوں میں ٹھیک ٹھیک کتنے آدمی کام آئے؟

یقیناً اس کا منشا ہرگز اس قسم کی باتیں بتانا نہیں ہے۔ خدا کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ بائیبل میں ہمارے لئے علمی تحقیقات کا ایک مبسوط سائیکلوپیڈیا یا مخزن العلوم مہیا کر دے جس سے علم حاصل کرنے کے لئے معمولی تحقیقات و جستجو کی ضرورت نہ رہے۔

روح القدس جس نے بائیبل کا الہام دیا۔ خوب جانتا تھا۔ کہ بنی اسرائیل کے کرسی نامے اور لڑائیاں، اور اسی قسم کے دیگر امور کی تفصیلی باتیں ہمارے لئے ہندوستان یا کسی دوسرے ملک کی تاریخ سے کچھ بھی بڑھ کر وقعت نہیں رکھتیں۔ بائیبل کو براہ راست ان باتوں سے کچھ بھی واسطہ نہیں۔ البتہ ضمنی طور پر اس میں اُن کا ذکر آجاتا ہے۔

مگر الہام کا تعلق دیگر امور سے ہے۔ جو ہمارے لئے نہایت ہی ضروری اور اہم ہیں۔ وہ ہمیں خدا کی طرف سے اس لئے عطا ہوا ہے۔ کہ ہمارے چال چلن کا رہنما ہو۔ اور ہماری تہذیب اخلاقی کی عمارت کی تعمیر میں ممد ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ کہ خصلت یا چال چلن انسانی زندگی کا تین چوتھائی ہے۔ اور اسی تین چوتھائی حصہ کے ساتھ ان الہامی تحریروں کا تعلق و واسطہ ہے۔ اس لئے بائیبل کا الہام اس امر میں نہیں کہ وہ علمی یا تاریخی امور کے متعلق بےخطا تعلیم دے۔ بلکہ یہ کہ لوگوں کو بتائے کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔ اور انسان اور خدا کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ انہی میں سے ایک الہامی آدمی ہم پر بائیبل کی اغراض کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ سب صحیفے خدا کے الہام سے لکھے گئے ہیں۔ اور فائدہ مند ہیں مگر کس کام کے لئے؟ کیا اس لئے کہ یہ موسوی بیانات خلقت عالم کی نسبت۔ اور عبرانی قوم کی تاریخیں ہمیں بتائے؟ ان میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند ہیں۔

پاک نوشتے انسان کے لئے خدا کی درسی کتابیں ہیں۔ ان کے لکھنے والے بڑے بڑے معلم ہیں جو دنیا کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص شاعری یا مصوری یا سنگ تراشی کا فن سیکھنا چاہتا ہے۔ تو وہ بڑے بڑے استادوں اور بڑی بڑی قوموں اور بڑی بڑی کتابوں سے جو ان فنون میں کامل مہارت و دستگاہ رکھتے ہیں۔ واقفیت پیدا کرتا ہے اگر کوئی شخص اپنے کو راستبازی اور خدا کی راہوں کے لئے تیار رہنا چاہتا ہے۔ تو اُسے

ان استنادوں اور قوموں اور کتابوں سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے جو اس مقصد کے واسطے ملہم و مقرر و تحریر ہوئی ہیں۔

یہ تحریریں بڑے بڑے اخلاقی اور رُوحانی واقعات اور فرائض اور اشخاص کا اور اخلاقی ذمہ داریوں اور اس خوشی و مسرت کا جو رضائے الٰہی کے ساتھ موافقت پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ذکر کرتی ہیں۔ اُن کا مدعا یہ ہے۔ کہ اس ابدی اختلاف کو جو راستی اور ناراستی۔ اطاعت اور نافرمانی۔ خود غرضی اور قربانی۔ پاکیزگی اور شہوت پرستی میں پایا جاتا ہے۔ بتائیں اور ذہن نشین کر دیں۔ وہ اس امر کی تعلیم دیتی ہیں۔ کہ خدا تقدس اور نیکی کو چاہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کا جو آزمائشوں سے سخت جنگ کرتے ہیں۔ مددگار ہے بلکہ جب کہ آدمی لڑائی میں ہار جائے۔ اور اس کی زندگی ناپاک ہو جائے۔ تو اس وقت بھی پاکیزگی کو پھر حاصل کرنے اور خدا کی طرف لوٹنے کی راہ موجود ہے بشرطیکہ آدمی سرگرمی سے اُس کی تلاش کرے۔

۵

اُس کا طریق تعلیم

اِسی قسم کی سچائیوں کے مکاشفہ کے لئے بائیبل دی گئی تھی۔ مگر ان باتوں کے متعلق کانٹے چھانٹے اور تراشے ہوئے مسائل بنے بنائے آسمان سے نازل نہیں ہوئے۔ مثلاً یہ کہ۔

خدا انسانوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔

خدا ناپاکی اور دغا بازی سے نفرت کرتا ہے۔

خدا سچے تائب کو معاف کر دیتا ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو شاید ہم پاک نوشتوں کے ہر نقطے اور ہر نوشتے میں لفظی طور پر صحت

و درستی ہونے اور اس کے ہر طرح کی سہو و غلطی سے مبرا ہونے کی اُمید کر سکتے ہیں مگر نہیں نہ سنہری اصولوں کے ذریعے۔ نہ کاٹے چھانٹے عقائدناموں کے ذریعے۔ بلکہ تواریخ اور مکالات اور اشعار اور ناٹکوں کے ذریعے خدا اپنا مکاشفہ عطا کرتا ہے یہودی قوم کے بزرگوں کے حالات میں۔ ان کے بادشاہوں کے کارناموں میں۔ نبیوں کے جلتے ہوئے اقوال ہیں۔ اور اس شخص کی گفتگو میں جو ایک گلیلی بڑھئی کے بھیس میں اپنے اُلٰہی عظمت و جلال کو چھپا کر جلوہ گر ہوا۔ ہاں اس شخص کی دیہاتی لوگوں کے ساتھ بات چیت ہیں۔ ہاں ان سب متفرق باتوں میں ہم اُن کے خیالات کو جو وہ خدا کی نسبت رکھتے تھے۔ اور خدا کے ارادوں کو جو وہ انسان کے ساتھ رکھتا ہے معلوم کرتے ہیں۔ بائیبل کی کتابیں اس امر کو تحریر کرتی ہیں۔ کہ کس طرح خدا تبدریج بنی اسرائیل کی اخلاقی اور روحانی تعلیم و تربیت کرتا رہا۔ اور کس طرح اس نے ان کے ذریعہ سے باقی دنیا کو اپنا مکاشفہ عطا کیا۔

مثلاً بائیبل میں سے قاضیوں کی تاریخ کو لو۔ یہاں بھی ہم بار بار اسی سبق کو دہرایا جاتے دیکھتے ہیں پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح لوگوں نے گناہ کیا اور خدا کو بھول گئے پھر اُن کی سزا کا ذکر پڑھتے ہیں۔ کہ کس طرح وہ خدا کے مقرر کئے ہوئے ظالم کے ذریعے جس کے وسیلے اس نے اپنی مرضی کو پورا ہونے دیا۔ ان پر وارد ہوئی۔ پھر وہ بیچارے مصیبت یافتہ لوگ اپنے اس دکھ اور غم کی حالت میں تائب ہو کر خدا کو جسے انہوں نے رنجیدہ کیا تھا پکارتے ہیں۔ اور فی الفور اُن کی امداد کے لئے ایک نجات دینے والا پیدا ہو جاتا ہے لیکن تھوڑے سے عرصہ کے بعد وہ پھر انہی شرارتوں کی طرف عود کر آتے ہیں پھر وہی ساری بات دُہرائی جاتی ہے۔ اور پھر ہم وہی چکر گناہ اور سزا اور توبہ اور رہائی کا اور پھر گناہ اور سزا اور توبہ اور رہائی کا بار بار گھومتا دیکھتے ہیں۔ اور ان سارے واقعات میں خدا کا ہاتھ صاف صاف نظر آتا ہے۔

ہم اِس کتاب کے خاص سبق کو فی الفور معلوم کر لیتے ہیں۔ وہ ہماری تعلیم کے لئے ایک سچا بیان ہے۔ کہ خدا انسان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ خدا کے الہام نے اس مورخ کو تاریخ کا سچا فلسفہ سکھا دیا ہے۔ کہ خدا ساری انسانی زندگی کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ اگرچہ ظاہراً ایسا معلوم دے رہا ہے۔ کہ گویا سب کچھ محض اتفاقی طور پر واقع ہو رہا ہے۔ وہ گناہ سے نفرت رکھتا ہے۔ اور افراد کو اور اقوام کو بھی ان کے گناہوں کے لئے سزا دیتا ہے۔ اگرچہ بعض وقت لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اور یہ سزا محض اتفاقی طور پر نہیں۔ بلکہ خدا کے قوانین کے عمل سے واقع ہوتی ہے۔ اور جب کہ گنہگار تکلیف اور دکھ سے تنگ آکر اور اپنے گناہوں سے پشیمان ہو کر خدا کے حضور میں سچے دل سے تائب ہوتا ہے۔ تو وہ اس وقت اپنے تئیں خداوند خدا۔ رحیم اور مہربان۔ بدی اور شرارت اور گناہ کو معاف کرنے والا" بھی ثابت کرتا ہے۔

۶

خطا اور غلطی سے کس قسم کی بریّت کی ضرورت ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ بائیبل کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ خدا کو اور اس رشتہ کو جو وہ انسان سے رکھتا ہے۔ ظاہر کر دے اس میں بعض تاریخی واقعات کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی تشریح کی گئی ہے۔ اور ہمارے لئے ان واقعات اور ان کی تشریح کی قدر و قیمت صرف اس امر میں ہے۔ کہ ان کا علم حاصل کرنے سے خدا کی ذات اور اس کی مرضی۔ اس کے تعلقات اور رشتہ کی جو وہ ہمارے ساتھ رکھتا ہے معرفت حاصل کریں یہی خدا کا سب سے بڑا مقصد انسان کے لئے ہے "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے اکیلے سچے خدا کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے پہچانیں"۔

تو الہامی نوشتوں میں بڑی اہم بات یہ ہے۔ کہ وہ اُس معاملہ میں جس میں ہم ان کی تعلیم کے حاجت مند ہیں مستند معلم ٹھیریں۔ یعنی ہمیں بتائیں کہ خدا اور انسان کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ اور خدا انسان سے کیا سلوک کرتا رہا ہے۔ اس غرض کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ تاریخ قایل اغلبا تاریخ ہو۔ اور واقعات کا تذکرہ کافی طور صحیح و درست ہو۔ اور وہ ان امور کی تعلیم دینے کے واسطے جو اپنے حسن سلوک کے متعلق خدا ہمیں بتانا چاہتا ہے۔ کافی ہوں۔ مگر اس امر کے لئے کیا یہ ضروری امر ہے۔ کہ افواج کی تعداد کو بڑی صحت سے بیان کرے۔ یا جہاں کہیں علم ہیئت یا علم الارض کے متعلق کسی امر کی طرف اشارتاً ذکر ہوا ہو۔ وہ بھی اصول علم کے مطابق صحیح ہو؟ کیا یہ امر دینی تعلیم کے لئے خوفناک ہوگا۔ اگر بائیبل کے کسی صحیفے کا لکھنے والا اپنے زمانہ کے نہایت دانا اور عقیل اشخاص کے ساتھ یہ یقین رکھتا تھا۔ کہ سورج زمین کے گرداگرد گھومتا ہے۔ یا اگر اس نے دو متضاد بیانات میں سے کہ اَرونا کی کھلیاں کے لئے کیا قیمت ادا کی گئی تھی۔ ایک بیان کو لے کر اپنی کتاب میں درج کر دیا؟ ہم اس شخص کے حق میں کیا کہیں گے۔ جو کسی ملک کی تاریخ کی بابت اس قسم کے خیال رکھے مثلاً یہ کہے۔ کہ تاریخ انگلستان سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس امر کے سبب بالکل ناقص ٹھیرتے ہیں۔ کہ جنگ کریسی کے مختلف بیانات افواج کی صف بندی کے متعلق ایک دوسرے سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ یا یہ کہ قرون وسطی کا ایک مؤرخ سحر و افسون اور چڑیلوں اور ڈائینوں کی ہستی کا معتقد تھا؟

ہمیں اپنی بائیبلوں کو ایسے ہی عقل و ہوش سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جیسے دوسری تاریخوں کو ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ خدا کے مقصد کے لئے یہ ضروری نہ تھا۔ کہ ہر

لے دیکھو ۲۔ سموئیل ۲۴: ۲۴ اور تواریخ ۲۱: ۲۵۔

ایک الہامی آدمی ہر ایک امر میں سہو و خطا سے بری ہو۔ اگر بالفرض کوئی آسمانی آواز کل کو ہمیں بتا بھی دے۔ کہ ان کے علمی اور تاریخی مسائل کا ہر ایک نقطہ اور شوشہ بالکل صحیح و درست ہے۔ تو اس سے الہامی کتابوں کی قدر و قیمت ایک ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں ہو جائے گی ؛

۷

کیا بائیبل سہو و خطا سے مبرّا ہے ؟

تو اس سوال کا کہ کیا بائیبل سہو و خطا سے مبرّا ہے۔ ہمارا یہ جواب ہے۔ ہاں بائیبل سہو و خطا سے مبرّا ہے مگر اس امر میں کہ وہ خدا کو ہم پر ظاہر کرتی ہے۔ اور ہمیں وہ تمام باتیں سکھاتی ہے۔ جن کا جاننا نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے وہ اس امر میں سہو و خطا سے مبرا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو مسیح کی طرف کھینچتی ہے۔ اور اعلیٰ اور روحانی زندگی کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اپنے اس خاص پیغام کے لحاظ سے۔ اور اس وجہ سے جو کچھ ہونے کا اور جو کچھ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے سہو و خطا سے مترا ہے۔ " وہ تمام باتیں جو وہ خدا اور مسیح اور سچائی اور راستبازی اخلاقی محبت اور خدا کے خوف و محبت میں زندگی بسر کرنے کی دانائی کے متعلق سکھاتی ہے۔ ان سے کامل طور پر قابل اعتبار ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور ایسے ہی قابل اعتبار اس کی وہ تعلیمات ہیں۔ جو وہ ایسے امور کے متعلق دیتی ہے۔ کہ انسانی زندگی کہاں گمراہی میں پڑتی ہے۔ چال چلن کے لئے سب امور میں سیدھا راستہ کون سا ہے۔ راست بازانہ زندگی حاصل کرنے کا کیا طریق ہے۔ اور کس طرح انسانی زندگی خدا کے نمونہ اور مشابہت میں کاملیت کو پہنچ سکتی ہے " (ٹامس صاحب)۔

ان امور میں بائیبل ہر طرح کی سہو و خطا سے مبّرا ہے۔ اور ہم کو یاد رہے۔ کہ یہی بے خطائی ہے۔ جس کی اُس سے اُمید رکھنی چاہیئے۔ اور امر کہ آیا وہ علمی یا تاریخی مسائل کے بارے میں بھی ایسی ہی بے خطا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے ہمارا بہت کم واسطہ ہے۔ یہ بات محض انشا پردازی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس لئے اس پر آزادگی کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

۸

بائبل کے سہو و خطا سے پاک ہونیکے متعلق عام تصورات کی خطرناک حالت

اب ایک قدم آگے بڑھو۔ پاک نوشتوں کے ہر ایک طرح کے تفصیلی اُمور میں کامل طور پر بے خطا ہونے پر اصرار کرنا۔ فقط ایک غیر ضروری اور بے سند بات ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ماننا الہام کے عقیدہ کو سخت معرض خطر میں ڈالتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو... فرانس کے مشہور مصنف اور فصیح البیان رینان کو کس چیز نے ملحد بنا دیا؟ یہی بات کہ الہام کے عقیدہ سہو و خطا سے بریت کے عقیدہ کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔ چارلس بریڈلا کو کس چیز نے بائیبل کا دشمن بنا دیا؟ یہ کہ پادری جس نے اُسے مستقیم ہونے کے لئے تیار کیا۔ اس نے اس ذی فہم لڑکے کے سوالات کو جو وہ الہام کے مسئلہ پر کرتا تھا۔ اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے زجر و توبیخ کے ساتھ رد کر دیا۔ اور ان کا کچھ تسلی بخش جواب نہ دیا۔ ناظرین آپ بھی کئی لوگوں سے واقف ہوں گے۔ جن کا ایمان اسی قسم کی تعلیمات کے سبب سے زائل ہو گیا ہے۔ چند ماہ ہوئے خود میرے ذاتی تجربہ میں بھی یہ امر آیا۔ اور میں نے دیکھا کہ میرے ایک بڑے گاڑھے دوست کے ایمان پر اسی قسم کی غلط تعلیم نے پانی پھیر دیا۔

یقین جانو۔ وہ لوگ بائیبل کے نادان دوست ہیں۔ جو الہام کو اس قسم کی سوات

کے ساتھ وابستہ کر رہے ہیں۔ جب مذہبی معلّموں کی جماعت میں ایسے اشخاص موجود ہوں۔ جو یہ کہیں کہ ایک ذرا سی غلطی کے ثابت ہونے سے بائیبل کا الہامی ہونا مردود ٹھیرے گا۔ جب کہ لفظوں کے صاف صاف معنوں کو کھینچ تان کر ذرا ذرا سے اختلافات کو تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یا اس کے علمی امور کی متعلقہ باتوں کو زمانۂ حال کی تحقیقاتوں اور دریافتوں سے ملایا جاتا ہے۔ تو اس سے بائیبل کو کچھ نفع نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ الٹا اُس کی جان عذاب میں پھنستی ہے۔ ایسی کتابوں کو پڑھ کر تو خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوگا۔ کہ گویا ہماری نجات کا دارا اسرائیلیوں کی ادنیٰ علمی واقفیت کی صحت پر موقوف ہے۔ یا یہ کہ ہمارا مذہب معرض خطر میں ہے۔ اگر ہم قابل اطمینان طور پر یہ ثابت نہ کر سکیں۔ کہ بنی اسرائیل کے پہلوٹوں کی تعداد ٹھیک ۲۲۲۷۳ تھی۔ جب تک لوگ الہام کے متعلّق اس قسم کے جھوٹے خیالوں کو چھوڑ نہیں دیں گے۔ جب تک وہ یہ نہیں سیکھیں گے۔ کہ راستبازی کے ابدی شریعت کی نسبت خدا کا اعلان ان باتوں سے بالکل آزاد ہے۔ تب تک بائیبل کی حقیقت ٹھیک طور پر سمجھ نہیں آئے گی۔ اور نہ دشمنوں کے بے ہودہ حملوں سے چین ملے گا۔

ہم اس قسم کے تصورات کے ہرگز پابند نہ ہوں۔ ہم سچّائی کے طالب ہوں۔ اور سچّائی ہمیں آزاد کر دے گی۔ اس سے ہمارے ایمان کو تقویت ملے گی۔ اور ممکن ہے۔ کہ ہمارے سوا اور بھی بہت سے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کیا ایسی اُمّید رکھنا بے جا ہے۔ کہ اگر ہم اپنے بے سند مسائل کو رد کر دیں۔ تو بائیبل کی مخالفت اور عداوت کا بہت بڑا حصّہ رفتہ رفتہ زائل ہو جائے گا۔ لوگ خواہ مخواہ یہ نہیں چاہتے۔ کہ وہ ملحد یا دہریہ بن جائیں۔ یہ ہم ہی ہیں جنھوں نے اپنے احمقانہ خیالات سے بے ایمانی پر مجبور کر دیا ہے۔ جب انہیں یہ یقین ہو جائے گا۔ کہ عیسائی ہونا معقول

یا متعصّب بننا نہیں ہے۔ اور کلیسیا جو تجارت میں دغا و فریب کی ممانعت کرتی ہے۔ وہ شہادتوں اور تحقیقاتوں میں بھی ایسا کرنے کو ویسا ہی معیوب سمجھتی ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ہم فقط سچائی ہی کی طلب اور جستجو میں ہیں۔ اور سچائی کی تحقیقات میں ہم بالکل بے خوف اور ہر قسم کے تعصب سے آزاد ہیں۔ تو یقیناً بہت سے لوگ جن کی بے اعتقادی نیک نیتی اور صدق دلی پر موقوف ہے۔ ایسی رکاوٹوں سے چھوٹ کر مذہب کی طرف رجوع لائیں گے۔

۹

ایک احتیاط

مگر آخر میں ہمیں چند الفاظ بطور احتیاط کے کہنے ضروری ہیں۔ چوں کہ ہم نے پاک نوشتوں کی علمی اور تاریخی غلطیوں کے امکان پر اس قدر زور سے بحث کی ہے شاید اس سے ناظرین کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے۔ کہ شاید یہ امر نہایت اہم ہے مگر انہیں مفصّلہ ذیل چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ:—

۱۔ صرف چند ہی صورتیں ہیں۔ اور وہ بھی نہایت خفیف ہیں جن کی بابت صحت و درستی کا سوال اٹھایا گیا ہے۔

۲۔ اور ان میں سے بھی بعض تو محض ناقلوں کی غلطیاں ہیں نہ اصل نوشتوں کی۔

۳۔ اور اس کے ساتھ ہی اس امر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ واقعات کے باقی حصوں سے جو تحریر نہیں کی گئی۔ اور جو تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ ہم ناواقف ہیں۔ اور نیز یہ بھی کہ جب ایک ہی واقعہ کے کئی ایک صحیح بیان بڑے اختصار کے ساتھ یک جا جمع کئے جاتے ہیں۔ تو ناظر کے دل میں غلطی

یا اختلاف کا خیال پیدا ہونا ممکن ہے۔ حالاں کہ دراصل ایسا نہیں ہوتا دیگر تواریخ سے اس قسم کی مثالیں لے کر اُن پر غور کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا اس لئے جب کہ ہم بائیبل کے علمی اور تاریخی مسائل کے کامل طور پر سہو وخطا سے مبّرا ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ امر کوئی بہت بڑی وقعت اور اہمیت کے قابل نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتا ہوں۔ کہ ایسے چھوٹے چھوٹے نقصوں کا۔ جوان مٹی کے برتنوں میں جن میں خدا کے خزانے بھرے ہیں۔ پائے جاتے ہیں۔ بہت کچھ لحاظ کرنا بالکل فضول ہے۔ البتہ اگر بے چین دلوں کی تسلی کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں خُدا کے وسیع اور پرثمر ہرے بھرے مرغزار ہیں اس قسم کی مشکلات اور اختلافات کو چھپائے رہنا غیر ضروری ہے اگر ہم روحانی خوراک کے لئے بائیبل کو مطالعہ نہیں کرتے۔ تو اس قسم کے دوسرے مطالعوں سے کسی قسم کا فائدہ اور قوت حاصل نہیں ہوگی۔ جیسا کہ فلر صاحب لکھتے ہیں کہ " اگر لوگ کلام اللہ کی سادہ خُوراک کو نہیں کھائیں گے۔ تو اگر اس کی ہڈیاں ان کا گلا گھونٹ دیں تو ان کے لئے گلہ وشکوہ کا مقام نہیں "۔

باب پنجم

خُدا کی تعلیم کی تبدریج ترقی

۱

عہدِ عتیق کی اخلاقی مُشکلات

اس سے پہلے باب میں ہم نے دو خام خیالوں کا ذکر کیا ہے۔ جو سب باتوں سے بڑھ کر لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کرنے اور زیادہ تر اس تمام بے چینی کا باعث ہیں۔ ان میں سے پہلا جس کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں زیادہ تر بائیبل کے متعلق ذہنی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ مگر اب ہم اس دوسرے خیال پر بحث کرتے ہیں۔

دوسرا خیال:۔ الہام کے لئے یہ شرط ہے کہ اخلاقی اور روحانی سچائیوں کے متعلق خدا کی تعلیم جو اس کے ذریعے سے دی جاتی ہے۔ وہ ادنیٰ اور ناکامل صورتوں سے ترقی کر کے اعلیٰ صورتوں تک نہ پہنچے۔ بلکہ ابتدا ہی سے اُسے اپنی ساری کمالیت کے ساتھ جلوہ گر ہونا چاہیئے۔

یہ خیال دونوں خیالوں میں سے زیادہ خطرناک ہے۔ بہت سے اشخاص کے نزدیک پاک نوشتوں کے متعلق ذہنی مشکلات کچھ بہت وزن نہیں

رکھتیں۔ عام عقل انسانی کی مدد سے وہ بہت جلد دیکھ لیتے ہیں۔ کہ خدا کے لئے یہ ضروری نہ تھا۔ کہ الہامی نویسندہ کو انشائی اور علمی امور میں سہو و خطا سے مبّرا کر دے تاکہ وہ لوگوں کو حسنِ تقدّس کی تعلیم دینے کے قابل ہو۔ مگر جو مشکلات درحقیقت خوفناک ہیں۔ وہ اس امر سے پیدا ہوتی ہیں کہ عہد عتیق کے بعض اقوال منوّر شدہ مسیحی ضمیر و آگاہی کے موازنہ میں بہت ادنیٰ اترتی ہیں۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ اس قسم کی باتیں بھی روح القدس کے الہام سے لکھی گئی ہوں؟

مثلاً ہم ابتدائی زمانے میں خدا کی نسبت بہت ہی ادنیٰ اور بے ڈھنگے خیال پاتے ہیں۔ گویا کہ وہ محض ایک قومی دیوتا تھا۔ جسے فقط اسرائیل ہی کی حفاظت و بہبودی مقصود تھی۔ اور دوسری اقوام کی طرف سے عداوت نہیں تو بے پروائی تو ضرور کرتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بائیبل میں غُلامی اور کثرت ازدواجی کی اجازت دی گئی ہے۔ اور آدمی فقط ایک طلاق نامہ لکھ کر اپنی جورو کو الگ کر سکتا تھا۔ ہم نفرت بھرے دل کے ساتھ اُس دغا بازی کا ذکر بھی پڑھتے ہیں۔ جسے دبورا نبیہ نے بڑی خوشی سے سنا۔ اور اُس پر ایسے برکت کے کلمے فرمائے جیسے مقدّس کنواری کے حق میں کہہ گئے کہ

"حبر قینی کی جورو یاعیل سب عورتوں سے مبارک ہے۔"

(قاضیوں ۵: ۲۴)۔

بعض نہایت ہی حمد و ستائش سے معمور زبوروں میں ہم بعض وقت ایسی دعاؤں کو سن کر حیران رہ جاتے ہیں۔ جن میں خدا سے دعا و التجاء کی جاتی ہے۔ کہ گنہگاروں پر یا اس سے بھی بڑھ کر زبور نویس کے دشمنوں پر اپنا غضب اور عذاب نازل کرے ہم نہیں خیال کر سکتے کہ یسوع مسیح اس قسم کی آرزوؤں

کو پسند کرتا۔ بلکہ ہم محسوس کرتے ہیں۔ کہ خود ہمارے دل بھی اس امر کو گوارا کرتے نظر نہیں آتے۔

۲

تعلیم کا ایک معقول طریقہ

یہ تو سچ ہے کہ اس قسم کی مشکلات بائیبل کی اخلاقی تعلیم کے خوبصورت چہرہ پر بطور بے معلوم دھبوں کے ہیں۔ لیکن اگر ہم سچے دل سے مسئلہ الہام کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو اس قسم کی مشکلات سے ہرگز پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض اصحاب جن کے دل میں پاک نوشتوں کے ادب و عزت میں عقل و دانش کو بہت دخل نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات کی اخلاقی حیثیت پر بحث کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ اس قسم کی حرکت کو "ایک گستاخی" سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ تم کون ہو۔ کہ اپنے ضمیر کو بائیبل کی باتوں پر حکم لگانے کے لئے جج مقرر کرو۔" کولرج صاحب اپنے اقرارات میں ایک عالم خادم الدین کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب اُس کے سامنے بائیبل کے فعل کے قابل تعریف ہوتے پر اعتراض کیا گیا۔ تو یہ کہہ کر بحث کا خاتمہ کر دیا کہ "میں تو بائیبل سے بہتر کوئی اخلاقی تعلیم نہیں جانتا اور کسی چیز کے قابل تعریف ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ بائیبل نے اُسے تعریف کے قابل بیان کیا ہے"۔

ایسے اصحاب بائیبل کے لئے نہایت بڑے خطرے اور مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ اس وقت بھی ایسے کئی شخص موجود ہیں گے اور اس لئے میں یہاں اس امر پر بڑے اصرار کے ساتھ زور دیتا ہوں۔ کہ

کہ جب تم بائبل کا مطالعہ کرو تو بلا خوف و اندیشہ کسی آیت کے ایسے معنوں کو جو عالمگیر مسیحی ضمیر کے خلاف ہیں[1] رد کرتے جاؤ۔ خدا ہی نے تمہیں ضمیر بھی دیا ہے۔ اور بائبل بھی۔ ضمیر ہی کے ذریعے سے روح الٰہی روح انسانی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ اور اس لئے کسی فقرہ کا مضمون جو انسان کے حق اور راستی کے سبب سے اعلیٰ مقیاسوں کے خلاف ہو۔ اس کو ہمیشہ بے اعتباری اور شبہ کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

یہ خیال کرتے ہوئے افسوس معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بیسویں صدی کے شروع میں اس قسم کے الفاظ لکھنے کی حاجت پڑی۔ مگر ہم اس امر سے اپنی آنکھیں ہرگز بند نہیں کر سکتے۔ کہ اس قسم کے الفاظ کی حاجت ہے۔ اور کہ آگے ہی مذہب کے مقدسہ کو کلام اللہ کی شرح و تفسیر میں اس خداداد ضمیر کے نہ استعمال کرنے کے سبب بہت ہی ضرر و نقصان پہنچ چکا ہے۔

اکثر اوقات یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہمیں حق و باطل کے محض انسانی خیالات کی بنا پر اس قدر حوصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر ہم کو یہ کہا جائے (جیسا کہ اکثر کہا گیا ہے)۔ کہ پاک نوشتوں کا فلاں مسئلہ انسان کے اعلیٰ خیالات و حسیات سے جو وہ درستی اور مناسبت اور فیاضی کی نسبت رکھتا ہے مخالف نظر آتا ہے۔ تو بھی ہمیں اپنی اس اخلاقی نفرت کا ذرا بھر بھی خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ سچا اور بچوں کے ایسا ایمان ہر ایک بات کو بلا تامل

---

[1] یہ یاد رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ کہ جو کچھ میرے یا تمہارے ضمیر کے فرداً فرداً مخالف ہو۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ کہ میرا یا تمہارا ضمیر کسی امر میں خراب یا غلطی پر ہو۔ مگر تعلیم یافتہ مسیحیوں کے مجموعی ضمیر کی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ؏

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

قبول کرنے پر آمادہ ہوگا؟

مگر یقین جانو کہ سچّا بچّوں کے ایسا ایمان ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ اور یہ ایک نہایت ہی معیوب امر ہے۔ اور اس سے سچّے مذہب کی بنیادوں کو ضرر پہنچتا ہے۔ جب کہ ایمان کا اس طور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ خدا پر ایمان لانا ایک شخص پر ایمان لانا ہے۔ ایک صاحب خصلت شخص پر۔ جو لامحدود عدل اور محبت اور تقدس اور شرافت اور فیاضی کی صفات سے موصوف ہے۔ وہ ایسا خدا ہے۔ جو اگر ایسا کہنا بے ادبی میں داخل نہ ہو۔ اپنی الوہیت سے قطع تعلق کرنا بہتر سمجھے گا۔ بجائے اس کے کہ کسی آدمی کے ساتھ نامناسب سلوک کرے۔ یا بے مروّتی یا بے مہری سے پیش آوے۔ یہی ایمان ہے جس کے لئے بائیبل کا مطالعہ کرتے وقت تمہیں دعا کرنی مانگنی چاہیئے۔ تمہیں پر محبت، وفادار۔ اور با اعتماد بچے کی طرح ہونا چاہیئے۔ جو ہمیشہ اپنے باپ کا باوفا فرزند بنا رہتا ہے اور اس کی خصلت و عزت کے لئے غیرت مند ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسی بات کہے جو اس کی شان کے شایاں نہ ہو۔ تو اس پر کبھی یقین نہیں کرتا خواہ وہ لوگ یہ بھی کیوں نہ کہا کریں۔ کہ ایسی باتیں خود اُس باپ کی تحریری کلام میں لکھی ہوئی ہیں۔

اگر میرے ناظرین میں سے کوئی شخص اپنے دل میں یہ ٹھان بیٹھا ہے کہ ضمیر کو بائیبل کی اخلاقی تعلیم پر حکم لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تو اُسے اس کتاب کو آگے نہیں پڑھنا چاہیئے لیکن اگر ایسا نہیں تو میں جہاں تک ہو سکے گا۔ اس کی امداد کے لئے حاضر ہوں۔ اُس کے میری یہ تجویز ہے۔ کہ بالفعل اُسے ان مشکلات سے الگ ہٹا لے جاؤں گا۔ اور اس فصل کے خاتمہ پر پھر اُسے اُن کی طرف متوجہ کروں گا۔ اس وقت میں اُسے ان کے فیصلہ

کے بہتر طور پر لائق بنانے کی کوشش کروں گا۔

میں یہ امر جتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ ان مشکلات کے پیدا ہونے کا یہ باعث ہے۔ کہ لوگ بحث غلط مقدمات سے شروع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ "اگر خدا اور روح القدس عہد عتیق کی تعلیم دینے والا تھا۔ تو ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں وہ ایک ہی قسم کے عالی پایہ اور شریف فرائض واحکام کی تعلیم دے کسی قسم کی ناکاملیت یا انگھڑپن۔ یا ادنیٰ اخلاقی تعلیم کسی زمانہ میں بھی ایسی تعلیم کے۔ جو خدا کی طرف سے ہونے کے دعوے دار ہے۔ شایان شان نہیں ہے۔" مگر اس دعوے کو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ تمہیں اس قسم کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں تمہارے ہی طریق سے جو تم اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کرتے ہو تمہیں یہ دکھاؤں گا۔ کہ جس بات کی تم بائیبل سے اُمید کرتے ہو۔ وہ بالکل خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے۔ بلکہ تمہیں اس میں سے اُسی قسم کا امیدوار ہونا چاہیئے۔ جس کا اس میں پایا جانا ممکن ہے۔ یعنی ادنیٰ اور سہل تعلیم و رفتہ رفتہ اور قدم بقدم ترقی کرتی جاتی ہے۔ اور جو آخر کار یسوع مسیح کی تعلیم میں اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔

۳

پہلی مثال

ہم اپنے تمام تعلیمی امور میں بلا تامل اس قانون کو کہ ہر ایک چیز بتدریج و بہ ترتیب نشوونما پاتی ہے۔ تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ ہمیں نہایت ہی ادنیٰ اور ابتدائی باتوں سے شروع کرنا چاہیئے۔ اور کہ شروع میں نہایت

ہی موٹے موٹے اور نامکمل خیالوں پر اکتفا کرنی ضرور ہے - بلکہ امر واقعی تو یہ ہے۔ کہ جب تک اعلیٰ مسائل کے سمجھنے کے لئے ذہن کافی طور پر تیار نہ ہو تو اعلیٰ علوم کی تعلیم نہ صرف ناکارہ ہوگی ۔ بلکہ اُس سے انسان خواہ مخواہ دھوکا کھائے گا۔

علم ہندسہ کا ماہر جو عالم کی نہایت ہی پیچیدہ اشکال و سوالات کے حل کرنے میں استاد ہے ۔ اس پر بھی ایک زمانہ گذر چکا ہے ۔جب کہ وہ طفل ابجد خوان تھا اس وقت اس کے لئے اس قسم کے دقیق سوالات بالکل عقدہ لاینحل ہوتے۔ اور وہ ان کی حقیقت کے سمجھنے سے بالکل عاری ہوتا۔ اُس کے دل میں کبھی خیال بھی نہیں آئے گا۔ کہ اپنے لڑکے سے جس نے ابھی اقلیدس کے مقالہ اول کو شروع کیا ہے ابھی سے اس قسم کے اعلیٰ مطالعوں کی امید کرے ۔ وہ جانتا ہے کہ ایک طول طویل اور بتدریج تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے پیشتر اس کے کہ اس کا بچہ اس امر کو سمجھنے کے قابل ہو گا ۔کہ مثلث قائم الزاویہ کے وتر پر جو مربع بنایا جائے ۔ وہ اس کے دوسرے دونوں ضلعوں کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا ۔ اور اس سے بھی زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اس امر کو معلوم کرے گا ۔کہ یہ ریاضی کا مسئلہ تمام عالم کے قائم الزاویہ مثلثوں کے حق میں صحیح ٹھہرتا ہے ۔ باپ کو مشکل سے وہ وقت یاد ہوگا جب کہ اس قسم کی ودیاتیں اس کے لئے بالکل نئی باتیں تھیں ۔ وہ ان بے شمار زینوں کو بھی دیکھ سکتا ہے ۔جو ابھی اس کے اور اس کے بیٹے کی علمی واقفیت کے درمیان واقع ہیں ۔ اور جن پر اُس کے بیٹے کو قدم بقدم چڑھنا ہے لیکن اگر وہ دانا ہے ۔ تو وہ اس امر میں ہرگز جلد بازی نہیں کرے گا ۔ وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں جانتا ہوں کہ میرا یہ اعلیٰ علم سچا اور قیمتی ہے ۔ اور اُس سے مجھے

بہت ہی ذہنی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے میں اپنے بیٹے کو بھی اسی وقت اس کے سکھانے کی کوشش کروں گا۔ کیا ضرور ہے۔ کہ میں ان ادنیٰ علوم کی تعلیم پر اپنا وقت ضائع کروں جب کہ دوسرا علم ایسا اعلیٰ اور عظیم الشان اور خوبصورت ہے؟" نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بیٹے کا ذہن اس وقت اس کے لائق نہیں۔ اور اس لئے وہ عقل مندی سے اس کے ذہنی نشوونما کے بتدریج ترقی پانے کا صبر سے انتظار کرتا ہے۔

۴

دوسری مثال

اور کیا یہی اصول ہماری اخلاقی اور مذہبی تعلیم و تربیت پر بھی حاوی نہیں ہے؟ ایک دانا اور سمجھ دار آدمی کو وسط افریقہ میں غلاموں کے درمیان مشنری مقرر کر کے بھیجو۔ جو ابھی ابھی غلامانہ اور وحشیانہ زندگی سے نکل رہے ہیں۔ اور جن کی پرانی عادتیں ابھی تک ان پر قابو رکھتی ہیں۔ اور شراب خوری اور ناپاکی اور قتل اور لوٹ مار ان کے لئے معمولی باتیں ہیں۔ کیا وہ ان کی اصلاح اس طور سے شروع کرے گا۔ کہ ان کے تمام نقصوں اور بے ہودہ عادتوں پر یک قلم پانی پھیر دے۔ اور اعلیٰ درجہ کے چال چلن اور عادت و خصلت کے متعلق سخت قواعد مقرر کر دے۔ جن کے حسن و خوبی کی قدر کرنے کی وہ بالکل قابلیت نہیں رکھتے۔ اور جن پر زور دینے سے ان کے بغاوت پر آمادہ ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ کیا اس کی ابتدائی تعلیم یہ ہو گی کہ انہیں خود انکاری اور دشمنوں سے محبت رکھنے۔ عورتوں کے ساتھ عمدہ

سلوک کرنے۔ اعلیٰ ایمان اور پر محبت عبادت۔ اور خدا کے لئے اپنی جان کو تسلیم کر دینے کے فرائض سکھائے، کیا وہ یک قلم اُن سے یہ اُمید رکھے گا۔ کہ وہ اپنے چال چلن میں وہ اعلیٰ تقدیس و نیکوکاری ظاہر کریں جو اعلیٰ سے اعلیٰ مسیحی ولیوں میں نظر آتی ہے؟

یقیناً نہیں۔ اگر وہ دانا اور فہیم ہوگا۔ تو وہ ابتدا میں بہت سی باتوں سے جو اُسے ناپسند ہوں گی چشم پوشی کرے گا۔ بہت سی باتیں جنہیں دیکھ کر اُسے افسوس اور ناخوشی ہوگی درگذر کرے گا۔ کیوں کہ اُسے تبدریج نشوونما حاصل ہونے کا قانون خوب یاد ہے۔ وہ آسان آسان اور سادہ سادہ احکام جاری کرے گا۔ وہ چھوٹی چھوٹی ابتدائی باتوں کی تعلیم دے گا۔ وہ ہر ایک ایسی علامت کو دیکھ کر جس سے یہ معلوم ہو۔ کہ وہ درحقیقت نیکی کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔ خوش ہوگا۔ اگرچہ اس کے ساتھ بہت کچھ بدی کی آمیزش بھی کیوں نہ ہو۔ دُعا اور اُمید اور محبت کے ساتھ وہ اپنے لوگوں کو نگاہ رکھے گا۔ اور اپنی تعلیم کے سلسلہ کو بڑے صبر اور استقلال سے جاری رکھے گا۔ اُسے اُن کے مزاج و خصلت میں حقیقی ترقی دیکھ کر اگرچہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو زیادہ خوشی ہوگی۔ بہ نسبت اس کے کہ اُن سے کسی بیرونی قواعد کی سختی سے پابندی کرائے۔ وہ آہستہ آہستہ ترقی کرنے پر قانع ہوگا۔ اور رفتہ رفتہ بے معلوم مدارج سے اپنے مدعا کو حاصل کرتا جائے گا۔ وہ ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں کو۔ جو گو باہر کے لوگوں کے نزدیک تعریف کی نسبت زیادہ تر قابل زجر و توبیخ ٹھیریں۔ مگر اس کی نظر میں ان بیچارے وحشیوں کی ترقی کے اعلیٰ زینوں پر چڑھنے کی علامت ہیں۔ بڑی شادمانی سے ملاحظہ کرے گا۔ وہ کچھ عرصہ تک اس امر پر قناعت کرے گا۔ کہ اُن کے دل میں خدا اور مذہب کے متعلق ناکامل اور موٹے موٹے

خیالات جاگزین رہیں۔ وہ اپنے کو اس بیچارے پرخطا آدمی کی جگہ پر رکھ کر جو اعلیٰ زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اُس کے ساتھ ہمدردی کرے گا۔ اور اس کے خیالات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا کیوں کہ اُسے سچے دل سے اس امر پر اعتقاد ہے۔ کہ یہ لوگ آخر کار ضرور ترقی کر کے اعلیٰ زندگی کو حاصل کرلیں گے۔

وہ راست باز آدمی ہمیشہ خدا سے ان بیچارے وحشیوں کے حق میں دعا کرے گا۔ کہ "وہ اپنے روح القدس کے الہام سے اُن کے دل کے خیالوں کو پاک کرے"۔ مگر اُسے اس امر کا بھی یقین ہے۔ کہ خدا روح القدس کی حضوری سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ہر قسم کی غلطی اور بدکاری معدوم ہو جائے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اُن لوگوں میں کچھ کچھ سچائی اور کچھ روحانی زندگی موجود ہے اگرچہ اس کی مقدار بہت ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اور اس یقین کے ساتھ وہ صبر کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔ اور برابر انہیں تعلیم دیتا۔ اور ان کے حق میں دعا مانگتا رہتا ہے۔ اور اُمید کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔

رفتہ رفتہ جب کہ ان لوگوں میں سے بعض ایک اعلےٰ شریف مزاج مسیحی کے درجہ کو حاصل کرلیتے ہیں۔ اور مصلوب کے راستہ پر قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو کیا وہ اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ابتدائی خیالات پر پیچھے کو نظر نہیں ڈالیں گے۔ اور اسے ایک ابتدائی منزل نہیں سمجھیں گے۔ جس سے وہ اب بہت دور نکل آئے ہیں۔ مگر کیا ساتھ ہی وہ یہ اقرار نہ کریں گے۔ کہ یہ ادنیٰ منزل اُن کی اس اعلیٰ زندگی کے حصول کے لئے ایک لازمی تیاری تھی۔

۵

برہمن کا نشو و نما۔ ایک مثال

ہم غیر اقوام کی زندگی سے بھی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر میکس مار صاحب برہمنوں کی مذہبی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ شاگرد کو مذہبی نشو و نما کے تین مدارج میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی طالب علمی۔ خانہ داری اور گیان دھیان کی زندگی میں سے طالب علموں کو پہلے ویدوں کو بر زبان کرنا پڑتا ہے۔ اور جب وہ خانہ دار ہوتا ہے۔ تو اسی کے مطابق وہ اپنے سب کاروبار اور پوجا پاٹ کرتا ہے مگر جب وہ تیسرے درجہ کو پہنچتا ہے۔ اور اس کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ تو وہ ان تمام ادنیٰ باتوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے سارے خیالوں کو برہم پر لگا دیتا ہے۔ وید اب اس کے لئے علم کے لحاظ سے گویا ایک ادنیٰ چیز ہو جاتے ہیں۔ اور رانگنی اور اندر کا اب نام ہی نام رہ جاتا ہے۔ ہزارہا سال سے ایسے برہمنوں کے خاندان چلے آتے ہیں جن میں بیٹا روز بروز ویدوں کے شلوک بر زبان کرتا ہے اور باپ دن بدن پوجا پاٹ میں مشغول رہتا ہے۔ اور دادا ان سب ریت و رسوم کو محض بطلان سمجھتا ہے بلکہ ویدوں کے دیوتاؤں کو بھی نہیں مانتا۔ بلکہ ان کو اس کی ساری توجہ اُس اعلیٰ گیان اور معرفت پر لگی ہے۔ مگر دادا باوجود اس کے اپنے بیٹے اور پوتے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اور نہ اگرچہ ظاہری ریت و رسم کے قواعد کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ اس تنگ دروازہ سے گذر چکا ہے۔ اور اس لئے اس کی اس آزادی اور اعلیٰ خیالات کے اعلیٰ درجہ کے لئے۔ جس

کو اس نے حاصل کر لیا ہے۔ اس کو نہیں سناتے۔

۶

قوم کی تعلیم۔

اب ہم اس امر کو دیکھیں گے۔ کہ جو اصُول افراد کے حق میں صحیح ہے۔ وہی اصول اقوام کے حق میں بھی صحیح ہے۔ آدمی گہوارے سے لے کر قبر تک برابر ترقی کئے جاتا ہے۔ اور یہی حال اقوام کا بھی ہے۔ ان میں بھی برابر نشوو نما حاصل کرتے رہنے کی قابلیت ہے۔ ہر ایک نسل گذشتہ نسل کی نشو و نما کے نتائج کو اپنی ذات میں شامل کر لیتی ہے۔ اور آگے قدم بڑھاتی جاتی ہے۔

اس طاقت کے لحاظ سے جس کے مطابق زمانہ حال زمانہ ماضی کے نتائج کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ بنی انسان کو اگر ایک عظیم انسان کہیں تو بجا ہے جس کی عمر ہزارہا سال کی ہے۔ مختلف زمانوں کی ایجادیں اور دریافتیں سب اسی کا کام ہیں۔ اور عقائد اور مسائل اور رائیں اور اصول سب اسی کے خیال ہیں۔ مختلف زمانوں کی سوسائیٹیوں کی حالت اس کے طور و طریق ہیں۔ وہ ہماری ہی طرح علم اور خودداری اور ظاہری جسامت ایں برابر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی تعلیم بھی اسی طریق اور انہیں وجوہات کے لحاظ سے ہماری ہی طرح ہوتی ہے۔

اس لئے قوم کے حق بچپن اور جوانی اور کہولت کے الفاظ کا استعمال کرنا برمحل ہے۔ نہایت قدیم زمانوں کے انسان ہمارے مقابلے میں محض بچے ہی تھے۔ ان کے لئے ادنیٰ اور ابتدائی قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی۔ ان میں ایسی خودداری نہ تھی۔ اور ان کے نقصوں اور گناہوں سے بہت کچھ درگذر کرنی مناسب ہے۔ وہ خدا کے اس

عظیم الشّان مدرسہ کی ادنیٰ جماعتوں میں تعلیم پاتے تھے۔

۷

خُدا کا مدرسہ

اگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے۔ تو اُمید ہے کہ ناظرین نے اب اس اصول کو کہ خدا بنی انسان کو رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ تعلیم دیتا ہے۔ خوب جان لیا ہے۔ اور اب وہ بائیبل کی اخلاقی تعلیم کے متعلق صحیح خیال کو قبول کر سکیں گے

بائیبل یا یوں کہو کہ عہد عتیق کو اب یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ احکام یا ہدایات یا مثالات کا مجموعہ ہے۔ جو ہر زمانے اور ہر حالت کے لوگوں کے لئے قابل تعمیل و پیروی ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو اُس کو اس شریعت اور مذہبی اُمور کی تعلیم میں بتدریج ترقی کرنے کی کہانی سمجھنا چاہیئے۔ کہ کس طرح وہ آہستہ آہستہ خدا کی معرفت کو حاصل کرنے گئے۔ عہد عتیق یہ بتاتا ہے کہ کس طرح ایک خاص قوم اس طور پر تربیت کی گئی۔ اور کس طرح ایک بیچاری قوم نے جو غلامی کی حالت میں مصر سے نکلی تھی۔ رکاوٹ اور ہدایت اللہ سرزنش اور ملامت کے ذریعہ بڑی سہولت اور تدریج کے ساتھ اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کی کس طرح خدا ان کی نگہبانی کرتا رہتا تھا۔ جیسے سنار چاندی سونے کو کٹھالی میں صاف کرتا ہے۔ اور اس سے رفتہ رفتہ ساری میل ملاوٹ کو خارج کر دیتا ہے۔

اس میں اس بتدریج طریق تعلیم کا ذکر ہے جس کا ہم اوپر اپنی مثال میں ذکر کر چکے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کتنی باتیں تھیں۔ جو اس ابتدائی زمانہ میں درگذر کی گئی تھیں۔ یا جیسا کہ اعمال ۱۷: ۳۰ میں لکھا ہے۔ "چشم پوشی" کی گئی کس طرح غلامی یک لخت دور

نہیں کر دی گئی۔ بلکہ اس کی بے رحمیوں کی ممانعت کی گئی۔ اور اس کی بدعملیوں کو روکا گیا کس طرح عورتوں کی طلاق کی بالکل ممانعت کی گئی۔ مگر اس پر سخت قیدیں لگا دی گئیں۔ تاکہ لوگ بے پرواہی سے اس پر عمل درآمد نہ کریں کس طرح کینہ اور انتقام کے وحشیانہ قومی دستور پناہ کے لئے شہر مقرر کرنے کے ذریعے ہلکے کر دئے گئے۔ تاکہ منتقم کا غیظ و غضب انقضائے زمانہ سے سرد ہو جائے۔

وہ دکھاتا ہے۔ کہ کس طرح ملائمت اور تحمل اور بردباری اور دوسروں کی بہی خواہی کی تعلیم روح القدس کے الہام سے رفتہ رفتہ اُن کے قوانین میں داخل ہوتی گئی۔ وہ یہ بھی دکھاتا ہے۔ کہ اُن کا خدا کا تصور کیسا ناکامل اور انگھڑت تھا جیسا کہ ان بچوں کا ہوتا ہے جن کی تعلیم ابھی شروع ہوئی ہو۔ وہ یہ دکھاتا ہے کہ کیسی حقیقی دینداری اور اخلاقی امور میں گرمجوشی کے ساتھ اعتقاد کی ناکامل اور نامناسب صورتیں اور خدا کی رضا کے متعلق غلط خیالات بھی ملے ہوئے ہیں۔ وہ یہ دیکھاتا ہے۔ کہ ہر ایک زمانہ میں اُس زمانہ کی حیثیت اور حالت کے مطابق تعلیم ملتی رہی۔ نہ تو اس میں بہت جلدی تھی۔ کیونکہ وہ ہر زمانہ کے حالات اور سوالات کے ساتھ اپنے تو ربط دیتی تھی۔ اگرچہ ہمیشہ اس سے کچھ نہ کچھ بڑھی ہوئی نظر آتی تھی۔ مگر ایسی نہیں کہ لوگ اس کی پیروی کرتے ڈر جائیں القصہ ہر ایک سمجھدار شخص جو غور سے اس کا مطالعہ کرے گا۔ وہ یہ دیکھ لے گا۔ کہ اس میں مذہبی خیالات نے بتدریج نشو و نما حاصل کیا۔ اور خدا اور راستی اور فرض کی نسبت ابتدائی ناقص خیال رفتہ رفتہ ترقی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ اس اخلاقی خوبصورتی کو حاصل کر لیا جو ہم یسوع مسیح کی تعلیم میں دیکھتے ہیں۔

اگر کسی کو اب بھی الٰہی تعلیم کی اس نشو و نما کے متعلق شبہ باقی رہے۔ تو اُسے ہمارے خداوند کے ان اقوال کو پڑھ کر اس میں کچھ حجت باقی نہیں رہے گی۔ مثلاً "تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا۔ کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھنا اور اپنے دشمن سے عداوت"

لیکن میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو۔" "موسیٰ نے تمہارے دل کی سختی کے سبب" بعض آسان شرائط پر طلاق کی اجازت دی" مگر میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زناکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے" اور پھر دوسرے موقعہ پر جب کہ غضب ناک شاگرد اپنے استاد کے دکھ دینے والوں پر آسمان سے آگ برسانا چاہتے تھے جیسا کہ ایلیاہ نے کیا۔ تو اُس نے انہیں بتا دیا کہ مسیح کی روح ایلیا کی رُوح نہیں ہے۔ اور کہ وہ روحانی تعلیم کے ایک اعلیٰ درجہ سے تعلق رکھتے ہیں ٭

ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بائیبل ہی ہے۔ جو ہمیں سکھاتی ہے۔ کہ ہمیں قدیمی تعلیم کی اخلاقی حالت پر کس طرح حکم لگانا چاہیئے۔ "خود یہی امر کہ ہم عہدِ عتیق کے نقصوں اور کمیتوں پر ایک زیادہ اعلیٰ مقیاس کے مطابق حکم لگا سکتے ہیں۔ اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ کس طرح بڑے صبر کے ساتھ روحِ حق اپنے کام کو سرانجام دیتا آیا ہے۔ اور ان واقعات کی بنا پر ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ مکاشفہ کے اس الٰہی انتظام و طریق میں بالکل کامیابی ہوئی ہے۔" مقدس خرو سستم لکھتا ہے "یہ مت پوچھو کہ عہدِ عتیق کے احکام اس وقت کس طرح نیک ٹھہر سکتے ہیں۔ جب کہ اُن کی ضرورت جاتی رہی۔ بلکہ یہ پوچھو کہ جب زمانہ کو ان کی ضرورت تھی۔ تو اس وقت وہ کیسے اچھے تھے۔ ان کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے۔ کہ ہم اب ان پر نظر کر کے انہیں ناقص خیال کرتے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ ایسی اچھی طرح سے ہماری تربیت نہ کرتے۔ یہاں تک کہ ہم زیادہ اعلیٰ چیزوں کے حصول کے قابل ہو جائیں۔ تو ہم کبھی ان کے نقصوں کو اس وقت نہ دیکھ سکتے" ٭

۸

اخلاقی مشکلات پر بحث

میں نے اُوپر یہ کہا تھا۔ کہ جب ناظرین ان امور پر حکم لگانے کے لئے صحیح خیال حاصل کر لیں گے۔ تو میں پھر اِن کو ان مشکلات پر بحث کرنے کے لئے مدعو کرونگا میں نے اس سے پہلے اس امر پر زور دیا ہے۔ کہ انسانی ضمیر کو بائیبل کے اشخاص کے الفاظ اور حالات پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہے لیکن میں نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ ان کی نکتہ چینی کرتے وقت ہمیں کس قدر چشم پوشی اور در گذر کرنی چاہیئے۔ اس وقت ہم یا ئفتیل یا دبورہ یا سموئیل یا ایلیا کی نسبت خدا کی اس اخلاقی تعلیم کے بڑے مدرسہ کی اعلیٰ جماعتوں میں تعلیم پا رہے ہیں ہم اُس بڑی عالمگیر قربان گاہ کی ذرا اونچی سیڑھیوں پر ہیں۔ جو تاریکی میں سے خدا کے نور کی طرف چڑھتی جاتی ہیں *

اس لئے ادنیٰ منزلوں والے لوگوں کے کلام اور افعال پر نکتہ چینی کرتے وقت ہمیں چاہیئے۔ کہ ان پر اُن کے مدارج کے موافق حکم لگا دیں۔ اُن کے ادنیٰ درجہ پہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ رُوح القدس کے الہام سے بے بہرہ تھے۔ اگر ناظرین نے میرے اس خیال کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہے کہ مذہب بنی انسان کی ایک جاری تعلیم کا نام ہے۔ وہ بتدریج آگے بڑھتا چلے جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ انسان ایک مخفی روح القدس کی طاقت سے جو اس کے اندر سکونت کرتا ہے۔ درجہ بدرجہ اس کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تو وہ یہ دیکھ لے گا۔ کہ آج سے تین ہزار برس پہلے خدا اور راستی اور فرض کی نسبت ادنیٰ درجہ کا خیال ہونا۔ الٰہی الہام کی موجودگی کے ساتھ بالکل بے ربط نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھ جائے گا۔ کہ ممکن ہے کہ خود موسیٰ اور سموئیل نبی اور داؤد بعض باتوں میں ہمارے آج کل کے سنڈے سکول کے بچوں سے بھی ادنیٰ روحانی خیال رکھیں مگر باوجود اس کے اُن کے تصورات ان کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات سے

اس قدر بلند و بالا تھے۔ کہ صرف الہٰی الہام کی موجودگی کی بنا پر ہم اس فرق کی تسلی بخش وجہ بتا سکتے ہیں۔

البتہ اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ خدا کی نیکی اور بدی کے قوانین کسی درجہ تک بدل گئے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسے اٹل ہیں۔ جیسے وہ قوانین جو تمام عالم کی حرکات پر حاوی ہیں۔ اس کا صرف یہ مطلب ہے۔ کہ جیسا کہ قوانین طبعی۔ ویسے ہی اخلاقی قوانین بھی درجہ بدرجہ لوگوں پر ظاہر کئے گئے۔ جوں جوں وہ ان کے سمجھنے کے قابل ہونے گئے۔" بقول ہرڈر عہدِ عتیق کے نقص معلم کے نہیں۔ بلکہ متعلم کے نقص ہیں۔ اخلاقی تعلیم کے سلسلہ میں ان کا ہونا ضروریات سے ہے۔ وہ جزوی اور بتدریج حاصل ہونے والے مکاشفہ کے لازمی حدود کے سبب سے ہیں۔ اگر خدا مختلف زمانوں میں تاریخی طور پر مکاشفہ عطا کرنا پسند کرتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ یہ مکاشفہ ہر زمانہ کے لوگوں کی ضرورتوں اور ذہنی اور اخلاقی قابلیتوں کے ساتھ وابستہ ہو" (نبوہین سماینتھ)۔

اگر بتدریج ترقی پانے کا قانون ہمیشہ مدِ نظر رہے۔ تو عہدِ عتیق کی اخلاقی مشکلات بہت کچھ رفع ہو جائیں گی۔ اب ہم ان مثالوں کو جن کا ہم نے اس فصل کے شروع میں ذکر کیا تھا۔ لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ نقطۂ نظر سے وہ کیسے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قدیم زمانہ میں لوگوں کے ذہن میں خدا کا ایسا تصور جاگزین تھا۔ جسے کامل نہیں کہہ سکتے۔ ان کے نزدیک خدا اور بزرگ اور طاقت ور ہے۔ وہ سب خدا اؤں سے بڑا ہے۔ راستبازی کو چاہتا ہے بدکاری سے نفرت رکھتا ہے۔ مگر اکثر اس کی نسبت ایسے خیال ظاہر کئے جاتے ہیں۔ کہ گویا وہ فقط قوم اسرائیل کا ہی خدا ہے۔ اور اُسے دنیا کی اور اقوام کی کچھ پروا نہیں۔ مگر کہیں کہیں اعلیٰ سچائی کی شعاعیں بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً وہ نینوا کی پرواہ کرتا ہے۔ مزبی ایوب سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ خاص کر اُس کا یہ کلام کہ موعودہ نسل کے ذریعے" زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی"۔ قابل لحاظ ہے۔ رفتہ رفتہ انبیاء کی حد نگاہ وسیع ہوتی جاتی ہے۔ مگر مسیح کی آمد کے بعد یہ قدیم ناکاملیت

آخر کار دور ہو گئی۔ اور یہوواہ سب انسانوں کا خدا ظاہر ہوا۔ ایسا خدا" جو چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں۔"

۲۔ ہم زبور میں اعلےٰ اخلاقی تعلیم پاتے ہیں۔ اور زبور نویس خدا اور تقدس کے لئے بڑی سرگرمی اور آرزو کا اظہار کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی کہیں کہیں ہم ایسے کلمات بھی پاتے ہیں۔ جن میں خدا کے نافرمانوں کے حق میں اور بعض زبور نویس کے دشمنوں کے حق میں سخت بددعا کی گئی ہے۔ لیکن اگر ہم قانون نشوونما کو مدنظر رکھیں۔ تو اس میں کوئی بھی مشکل نظر نہیں آتی۔ یہ دعائیں محض ذاتی انتقام کا اظہار نہیں ہیں بلکہ اس دعوے کا جو اسرائیل خدا پر رکھتی ہے۔ کہ وہ اپنے عدل کو قائم کرے گا۔ مگر یہ سب اس زمانہ کی باتیں ہیں جبکہ یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ یہی دنیاوی زندگی ہی ہے جس میں آخر کار خدا کو اپنے عدل کا تقاضا پورا کرنا چاہیئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ لوگ گناہ اور گنہگار کے درمیان امتیاز نہیں کرتے تھے جب کہ اخلاقی امور کے متعلق غضب اور شرارت سے نفرت کا اظہار اس طور سے کیا جاتا تھا۔ کہ شریر کو دشمنِ خدا سمجھ کر اس پر خدا کے غضب و لعنت کی بھرمار کی جاتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس صورت میں ہم ایسے آدمیوں پر حکم لگا رہے ہیں۔ جو خدا کی سلطنت کی عمارت کے ابتدائی زمانوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ بائیبل میں انسانی عنصر بھی موجود ہے۔ اور کچی دھات اگرچہ سونے سے معمور ہے۔ تو بھی وہ بالکل خالص سونا نہیں ہے۔

۳۔ پھر ہم اس میں غلامی اور کثیر الازدواجی اور طلاق بھی پاتے ہیں جن کی یہ یاد رہے، اگرچہ اجازت نہیں دی گئی۔ اور نہ ان کے لئے کسی قسم کی ترغیب و تحریص کی گئی ہے۔ بلکہ نقصان کی برداشت کی گئی۔ اور ان پر قیدیں لگائی گئی۔ اور رفتہ رفتہ عالم بالا کی بڑھتی ہوئی تاثیرات سے انہیں زیادہ زیادہ پاک و صاف کر دیا گیا ہے۔

۴۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بعض کارناموں کی تعریف کی گئی ہے۔ یا ان کا بلا کسی قسم کی

زجر و الزام کے ذکر ہوا ہے جنہیں ہم مسیحی دین کی زیادہ صاف روشنی حاصل ہونے کے سبب قابل الزام سمجھتے ہیں مثلاً اسی واقعہ کو لو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ کہ اسرائیل کے بہادر نبیہ یائیل کی فعل کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارہ میں لوگوں نے طرح طرح کی دلچسپ تشریحیں کی ہیں مثلاً یہ کہ سسرا نے یائیل کے ساتھ بد سلوکی کی ہوگی جس کا بدلہ اس نے اس طور سے لیا۔ یا یہ کہ دبورہ نبیہؔ نے یہ کلمات الہام سے نہیں کہے ہوں گے۔ یا یہ کہ پاک نوشتوں کے صاف بیانات ہیں یائیل کے اس فعل کو ہرگز قابل تعریف نہیں ٹھہرایا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر مجھے اس قسم کی مفروضات کے لئے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اور اگر ناظرین میرے طریق استدلال پر جس کا اوپر ذکر کیا ہوا ہے۔ غور کریں گے۔ تو اس قسم کی تشریحوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی دبورہ نے نبیہ ہونے کی حیثیت میں کلام کیا۔ مگر اُس کو اُس الٰہی نور کا فقط تھوڑا سا حصہ ملا تھا۔ جو اس کے بعد رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر کار روز روشن کے درجے کو پہنچ گیا۔

"تم میروز پر لعنت کرو۔ خداوند کا فرشتہ بولا۔ اس کے باشندوں پر بڑی لعنت کرو" یہ دبورہ کا گیت تھا۔ مگر کیا اس نے یہ الفاظ کسی ذاتی غرض کو پورا کرنے کے لئے یا کوئی ذاتی انتقام لینے کے واسطے کہے تھے؟ ہرگز نہیں ٭

"وہ اسرائیل کی ماں تھی اور وہ ایک ماں کے دل کی گرم جوشی اور ایک حب الوطن کی سرگرمی سے کلام کر رہی تھی۔ اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے ظالموں کے مقابلے میں اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ لیا تھا محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اور محبت بھرے دل سے ان کو برکت دے رہی تھی۔ اور اسی محبت سے جو غضب اور انتقام کی آگ اس کے دل میں اس کے دل میں اُس کے دشمنوں کے مقابل میں بھڑک رہی تھی۔ اس کو بھی اُس نے ان بزدل اور خود غرض لوگوں پر لعنتیں کرنے میں ظاہر کر دیا جو ایسے

ضروری موقعہ پر "خداوند کی امداد کے لئے ہاں قوت والوں کے خلاف خداوند کی امداد کے لئے نہ آئے"۔ جب تک دبورہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور میں اس دور دراز زمانہ اور ملک اور اس عبرانی جنگجو عورت کے حالات پر نظر کرتا ہوں۔ جو ابھی تک روحانی خلقت کی اُس ابتدائی حالت میں تھی جب تک کہ میں اِس پر جوش اولوالعزم اور بہادر عورت پر غور کرتا رہتا ہوں اور اس کے ارادہ اور خصلت کے زور و قوت پر نظر کرتا ہوں۔ تو میں وہاں ایک گہری الفت و محبت کا ابتدائی جوش و خروش دیکھتا ہوں۔ اس طور پر تو سب کچھ درست نظر آتا ہے۔ اور میں اس کے ہدایت و نمونہ سے سبق حاصل کر سکتا ہوں۔ اس تیز اور غیر معمولی جوش کو دیکھ کر میں اس زیادہ صاف و شفاف روشنی کو جو مسیح کے راستہ پر پڑتی ہے پہچانتا ہوں۔ اور اس کے لئے خدا کا شکر کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ دیکھ کر کہ عہد عتیق کے اولوالعزم اور بہادر کس طرح بالکل اپنے آپ کو بھلا دیتے تھے۔ اور اپنے ادنیٰ ذاتی اغراض و مقاصد سے اوپر اٹھائے جاتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے الٰہی آقا کی خدمت میں وہ اپنے سارے جسم و جان کو قربان کر دیتے تھے مجھے انکسار و فروتنی کا ایک سبق حاصل ہوتا ہے۔ اور میں شرمسار ہو کر اُن کی مثال و نمونہ کی پیروی کے لئے اپنے کو اکساتے پر مجبور کرتا ہوں[۱]۔

اور اگر دبورہ کو چھوڑ کر یائیل کی طرف متوجہ ہوں تو ہمیں ان مشکلات کے حل کرنے کے لئے بھی اسی کلید سے کام لینا چاہیئے۔ اور اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی تعلیم و تربیت کے ابتدائی زمانہ میں لوگوں کے تصورات اخلاقی امور کے متعلق بہت ادنیٰ اور ناکامل تھے۔

اس صورت میں بھی ہم ایک نہایت بہادرانہ مگر ناقص فعل کو دیکھتے ہیں۔

---

[۱] کولرج صاحب۔

جو ایسے پر آشوب زمانوں میں بہت ہی قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ
اُن میں نیکی اور بدی دونوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ وہ دلیری اور جانبازی
اور جان نثاری جو اسرائیل کو ظالم کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے سب کچھ کرنے کو
تیار تھی۔ ہاں یہ سب خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ اگرچہ اس میں ایسی دغا
بازی بھی ملی ہوئی تھی جس کو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم قابل الزام ٹھہرائے بغیر
نہیں رہ سکتی۔ اگر ہم کو اس قصہ کے تمام واقعات معلوم ہوتے اور اگر یہ کہانی
پاک نوشتوں میں نہیں۔ بلکہ کسی دوسری تواریخ میں درج ہوتی تو بڑی آسانی
سے ہم بھی اس کی زمین میں تر زبان ہوتے۔ ہم ممالک کی تواریخ میں بہت سے
بہادری اور اولوالعزمی کے کاموں کو بڑی [illegible]ین و تعریف کی نظر سے دیکھا کرتے
ہیں۔ حالاں کہ اخلاقی مقیاس میں وہ ہرگز پورے نہیں اُترتے۔ تو اگر یہودیوں
کی تاریخ میں اسی قسم کے واقعات ہماری نظر کے سامنے آئیں۔ تو کوئی وجہ نہیں
کہ ہم انہیں بھی اسی نظر سے نہ دیکھیں۔ (دیکھو سٹینلی صاحب کی یہودی کلیسیا
کی تاریخ)۔

ڈاکٹر آرنلڈ صاحب نے بائیبل کے مقدمہ میں نہایت برجستہ الفاظ لکھے
ہیں جن کا یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

"بائیبل کی تعریف سے جو حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ سو یہ ہے۔ کہ خدا
جہاں کہیں راستی اور صدق دلی کو دیکھتا ہے۔ وہاں جہالت کے بارہ
میں بہت کچھ اغماض کرتا ہے۔ اور وہ جو سچے دل سے اپنے علم کے اندازہ
کے موافق اس کی خدمت کرتے ہیں اور وہ اس کے انتظام و قدرت کے
عام سلسلہ کے موافق اس سے برکت اور آفرین حاصل کرتے ہیں۔ اور
وہ لوگ جن کی آنکھیں اور دل اپنی ذات پر نہیں بلکہ اپنے فرائض کی بجا

آوری پر لگے ہیں۔ وہ اُس دھوآں اُٹھتے ہوئے سن کی مانند ہیں جنہیں وہ بجھاتا نہیں۔ بلکہ انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ تا کہ شعلہ زن ہوں۔ جب ہم اُن افسوسناک مگر شاندار شہادتوں کا حال پڑھتے ہیں۔ جہاں کہ ظالموں اور مظلوموں دونوں کی جماعتوں کے درمیان نیک لوگ پائے جاتے تھے تو کو ہم یہ اُمید و یقین نہیں کر سکتے کہ یہ ستم گر لوگ بھی ایک ایسی ہی دینی سرگرمی سے تحریک دلائے گئے تھے۔ اگرچہ اُن کی یہ سرگرمی جہالت اور غلطی پر مبنی تھی۔ اور وہ بھی بائبل کی طرح خدا کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اسی کی طرح انہوں نے بھی ایسے وسائل اختیار کئے جنہیں مسیح روح قابل الزام ٹھہراتی ہے۔؟

یہ بات بالکل راست اور بے محل ہے۔ کہ ہم بہت سے اشخاص کے کاموں کو جن کی عہد عتیق میں تعریف ہوئی ہے۔ قابل الزام ٹھہرائیں۔ کیوں کہ ہم نے وہ باتیں دیکھیں ہیں جو انبیا اور صدیقین کو زمانوں تک دیکھنی نصیب نہیں ہوئی تھیں مگر پھر بھی یہ بات اس سے کچھ کم راست اور ضروری نہیں ہے۔ کہ ہم کو چاہیئے کہ اُن کی اِس نہ ڈرنے والی سرگرمی کی پیروی کرنے کی کوشش کریں جس سے خالی رہنے کے لئے ہماری موجودہ علم و معرفت کی حالت میں ہمارے پاس کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ اور جس سرگرمی کے باعث باوجود جہالت اور کم علمی کے اپنے بڑے کاموں کے لئے بھی انہوں نے برکت حاصل کی۔

۹

تعلیم میں تبدیج ترقی کے اُصول سے قطع نظر کرنے کے نقصان

بائبل پر اس تاریخی قاعدہ سے نظر کرنا۔ اور یہ سمجھنا کہ وہ ایسے کامل ہدایات

کا مجموعہ نہیں ہے۔ جو ہر حال اور ہر زمانہ سے یکساں تعلق رکھتے ہوں۔ بلکہ وہ خدا کے انسان کو بتدریج تعلیم و تربیت کرنے کی کہانی ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس کی تعلیم کو سمجھنا چاہتا ہے۔ نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ گذشتہ زمانے میں، اس اصول کی طرف سے بہت کچھ بے پروائی کی گئی جس کے سبب سے مذہب کے بارہ میں نہایت افسوسناک نتائج پیدا ہو گئے۔

"اس بات کو یاد کر کے افسوس آتا ہے۔ کہ تاریخ کے کتنے خون آلودہ صحیفے اس بربادی اور جان کنی سے خالی نظر آتے۔ اگر لوگ اس امر کو یاد رکھتے کہ عہد عتیق کی شریعت ابھی تک ایک ناکامل شریعت تھی۔ اور عہد عتیق کی اخلاقی تعلیم نے پوری روشنی اور ہدایات کے درجہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ جب مسائل کے خون خوار حمایتی اپنی ان سختیوں کے ثبوت میں تورات کے حوالوں سے سند لاتے تھے۔ جب بادشاہوں کا قتل اہود اور یائیل کے نمونوں سے جائز قرار دیا جاتا تھا۔ جب صلیبی[1] لڑائیاں لڑنے والے "کافروں" کے خون دریا بہا دینا خدا کی اعلیٰ خدمت میں سمجھتے تھے۔ کیوں کہ وہ اس امر کی تائید میں قاضیوں کے صحیفہ کا حوالہ دے سکتے تھے۔ جہاں قوموں کی قوموں کو تباہ و ہلاک کر دیئے جانے کا ذکر ہے۔ جب کہ انکوئزیشن[2] کی بے رحمیوں اور عذابوں

---

[1] یہ وہ لڑائیاں تھیں۔ جو اہل یورپ نے مسلمانوں کے ساتھ شہر یروشلم (بیت المقدس) پر قابض ہونے کے لئے کیں۔ اور جو کئی سو سال تک جاری رہیں۔ (دیکھو محاربات صلیبی مطبوعہ پنجاب ریلجس سوسائٹی)۔

[2] ۔ رومی کلیسیا کی ایک عدالت کا نام ہے۔ جو ملحدوں اور بدعتیوں کی تحقیقات و سزا کے لئے قائم کی گئی تھی۔ جس کے ذریعے سے قریباً سوا دو سو سال کے عرصہ میں ۳۲ ہزار آدمی قتل (باقی برصفحہ ۱۷۳)

کی تائید میں جو بدعتیوں اور غیر مذہب والوں پر روا رکھے جاتے تھے سموئیل اور ایلیاہ نبی کا نمونہ پیش کیا جاتا تھا جب کہ کثیر الازدواجی اور غلامی کی برباد کن رسم کے جواز میں قدیم بزرگوں مثل ابراہیم اور یعقوب کی مثالیں دی جاتی تھیں جب کہ آیات کے مضامین کو کھینچ تان کر ان سے خلاف اخلاق ظلم و ستم کا جواز ثابت کیا جاتا تھا۔ جب کہ بے گناہ غریب عورتوں کو احبار کی آیات کے حوالے سے جادوگرنیاں اور چڑیلیں سمجھ کر جلایا جاتا تھا جب کہ ایسے ایسے جرائم اور بے رحمیوں پر (جیسے کہ مقدس بارتولما کے دن کا قتل[1]) پوپ اور کلیسیا کے اعلیٰ افسر خوشی کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اور ان کے کرنے والوں کو خدا کے قدیم بہادروں کے برابر سمجھتے تھے[2]۔"

یہ سب حماقتیں اور بے رحمیاں کبھی واقع نہ ہوتیں۔ اگر لوگ بائبل کو اس طور سے مطالعہ کرتے جو اس کا حق تھا۔ اور اگر وہ مسیح کی تعلیم کو درستی سے سمجھتے کہ خدا کا مکاشفہ ترقی پذیر ہے۔ اور کہ عہد عتیق کے الہام یافتہ مقدس اور اولوالعزم لوگوں کے اخلاقی تصورات بھی عہد جدید کے مقابلہ میں فقط ایسے ہیں۔ جیسے دھوپ کے مقابلہ میں چاندنی۔ اور مئے انگوری کے مقابلہ میں پانی۔

مگر اس بات پر زمانہ حال میں بھی پورا پورا لحاظ نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ سچائی کے مقدمہ میں ایسا ہی دردناک ہے بہت سے سوچ سمجھ والے مسیحی ہیں جن کا ایمان نہیں

★ ۳۱۹۱۲ زندہ (جلائے) کیئے گئے۔ اور قریباً ۳ لاکھ اور طرح سے سزایاب ہوئے۔ یہ عدالت ہسپانیہ میں ۱۴۸۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور ۱۸۲۰ء میں سرکاری طور پر منسوخ کی گئی۔

[1] ۲۴ اگست کا روز مقدس بارتولما رسول کی یادگار کیلئے مقرر کیا گیا تھا مگر اب خاص کر اس لئے مشہور ہے۔ کہ اسی روز کی پہلی شام کو ۱۵۷۲ء میں ہیوگوناٹ لوگ جو پراٹسٹنٹ تھے شاہی حکم سے عام طور پر فرانس میں قتل کر دیے گئے تھے۔

[2] منقول از فیرر صاحب دیباچہ پلپٹ کمنٹری یعنی تفسیر الواعظین۔

عہدِ عتیق کی مشکلات کے باعث رفتہ رفتہ خدا اور بائبل پر سے اٹھتا جاتا ہے۔ بہت لوگ اس خیال سے کہ غلامی اور کثیر الازدواجی کی خدا کی طرف سے اجازت ہے، بے ہو کر سوال کرتے ہیں۔ بہت لوگ اس خدا میں جس نے جہان سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ اور عہدِ عتیق کے اُس قومی خدا میں جو فقط ایک خاص قوم پر نظرِ رحمت رکھتا تھا۔ نمایاں فرق دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہے ہیں۔ لوگوں کو یہ بتانا چاہیئے کہ خدا کے تصورات اور اخلاق کے تصورات نے رفتہ رفتہ نشو ونما حاصل کیا۔ ابتدائی خیالات کو بعد کے خیالات سے وہی نسبت ہے۔ جو بچہ کے خیالات کو ایک فیلسوف کے خیال سے ہوتی ہے۔ بچے کے خیالات بچے کی حالت کے مناسب ہوتے ہیں مگر وہ ایک فیلسوف کے پورے نشو ونما پر پہنچے ہوئے ذہن کے لئے بالکل نامناسب ہوتے ہیں۔

بائبل کو اس کے مقاصد اور معانی کے تاریخی مدعا کو مدِنظر رکھ کر مطالعہ کرو۔ اور تم روز بروز اس حکمت اور صبر کا جو خدا دنیا کی تعلیم میں کام میں لایا زیادہ زیادہ علم حاصل کرتے جاؤ گے۔ لیکن جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ اُسے اس تاریخی کلید کے بغیر مطالعہ کرو۔ اور وہ الہام بائبل کو محض ایک سطح سطح سمجھو۔ جس میں نہ تو فاصلہ ہے نہ گہرائی۔ تو تمہیں الٰہی حکمت کا کچھ کچھ اسی قسم کا تصور حاصل ہوگا۔ جیسے کہ کوئی شخص آسمان کو ایک چپٹی سطح سمجھے۔ جس میں تمام ستارے جڑے ہوئے ہیں۔ اور اُن انتہا فاصلوں کو جو علما اِن ستاروں کے درمیان بتاتے ہیں۔ اور اس تمام یگانگت اور انحصار کو جس کے مطابق یہ سب حرکت کر رہے ہیں۔ بالکل فراموش کر دے۔ بھلا ایسا شخص خدا کی اس قدرت و جلال کا جو آسمانوں کی صنعت میں نظر آتا ہے۔ کیا اندازہ لگا سکے گا۔

اِس لئے جب کوئی ملحد عہدِ عتیق کے متعلق کسی اخلاقی مشکل کا ذکر کر کے ہم پر طعنہ زنی کرنے لگے۔ اور یہی کہے کہ "مسیحی دین خدا اور چال چلن وغیرہ کی نسبت اس اس قسم کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے۔ کیونکہ میں اسے بائیبل میں لکھا پاتا ہوں" تو ہمیں اُس کے اس بیان کو تسلیم کرنے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ چونکہ بائیبل کی تعلیم ایک ترقی پذیر مکاشفہ ہے تو اس صورت میں یہ ہرگز درست نہیں ہے کہ کوئی شخص ابتدائی مدارج کا کلام لے کر ہم سے کہے۔ کہ "دیکھو یہ تمہارا خدا ہے۔ دیکھو یہ تمہارا مذہب ہے" جیسے کہ ہم اپنے کو مسیح کے حضور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح ہم عہدِ عتیق کے صحیفوں کو بھی اُس کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ ہم ان کی تعلیم کا مسیح کی تعلیم سے موازنہ کرتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ہمیں یہ تعلیم اس کی تعلیم سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ہم اس کو اپنے مذہب کا صحیح نقشہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۱۰

اعتراض اور اُن کے جواب

اب میں اپنے ناظرین کی جگہ رکھ کر اور مختلف طبیعت و مزاج کے آدمیوں سے اس معاملہ پر بحث و گفتگو کر کے بعض مشکلات کو جو اس باب کے مطالعہ سے ان کے دل میں پیدا ہونی ممکن ہیں۔ بیان کرتا ہوں۔

پہلا اعتراض

"ضمیر کو بائیبل کے مختلف حصوں کی قدر و قیمت کی نسبت حکم لگانے کی اجازت دینا ایک خوفناک امر ہے۔ اور گویا اپنے منہ

میاں مٹھو بننا ہے۔ ہم کون ہیں۔ کہ الہامی الفاظ میں سے چننے اور انتخاب کرنے کا حوصلہ کریں"۔

جو کچھ ہم پہلے ہی اس مضمون پر بیان کر چکے ہیں۔ اگر اس سے معترض کی تسلی نہیں ہوئی۔ تو میں اس کو فقط اتنا اور یاد دلاؤں گا۔ کہ خواہ یہ میاں مٹھو بننا ہو یا نہ ہو۔ ٹھیک یہی بات ہے۔ جو وہ اور دوسرے سمجھدار انسان بائیبل کے متعلق کر رہے ہیں۔ جب وہ زبور کا مطالعہ کر کے اٹھتا ہے۔ تو وہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ کہ اُسے بھی گرمجوشی کے ساتھ زبور نویسوں کی طرح خدا سے محبت رکھنی چاہیئے۔ اور اس پر اعتماد رکھنا اور اس کی حمد و تعریف کرنی چاہیئے۔ وہ یہ کبھی خیال نہیں کرتا۔ کہ اُسے بھی ان کی طرح خدا سے دُعا مانگنی چاہیئے۔ اس کا غصہ ان لوگوں کے خلاف جو اس سے باغی ہیں بھڑک اُٹھے۔ وہ اس میں یہ دو روایات پڑھتا ہے۔ کہ "چھوٹے لڑکو۔ ایک دوسرے سے محبت رکھو" اور کہ "وے خون اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں"۔ وہ ان میں سے ایک کو تو عالمگیر سمجھتا ہے۔ مگر دوسرے کی طرف سے بے اعتنائی کرنے میں اُسے کچھ تامل نہیں ہوتا۔

ضرور ہے کہ ضمیر ان امور میں امتیاز کرے۔ بائیبل کے مطالعہ سے ہم کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جب تک کہ خدا کی روح ہمارے شامل حال نہ ہو۔ اور یہ روح انسانی ضمیر کے ذریعے سے کام کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بائیبل کے مطالعہ کے ساتھ روح القدس کی امداد کی دعا کو لازمی ٹھیراتے ہیں۔ ضرور ہے کہ وہ کامل سچائی کی طرف ہماری رہنمائی کرے۔ روح القدس کا کام لکھنے والوں کو الہام دینے کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو گیا۔ وہ اب بھی اپنی کلیسیا اور اس کے افراد کے اندر قوت بخشنے والی طاقت کی

مانند سکونت پذیر ہے۔ اور "مسیح کی چیزوں کو لے کر انہیں ہم پر ظاہر کرتا ہے"۔

دوسرا اعتراض

"اگر عہد عتیق کا کچھ حصہ ناقص اور نشوونما کی بالکل ابتدائی حالت میں سمجھا جائے۔ اور اس سبب سے آج کل کے مسیحیوں کی ہدایت کے قابل نہ مانا جائے۔ تو کیا رفتہ رفتہ لوگ عہد جدید کی نسبت بھی ایسا ہی کہنے لگ جائیں گے۔ اور اس کی تعلیم کی نسبت بھی ایسا خیال کرنے نہ لگیں گے۔ کہ وہ بھی روحانی تعلیم کے ادنےٰ منزلوں کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی؟"

خیر۔ ناظرین۔ عہد عتیق کی بعض تعلیمات کے متعلق تو کسی اگر مگر کی حاجت نہیں ہے۔ ہمارا خداوند خود ہمیں بتا چکے ہیں۔ کہ وہ بمقابلہ اس اعلیٰ مقیاس کے جو وہ زمین پر لایا۔ ہرگز کامل نہیں ہے۔ لیکن اس اعتراض کی بابت کہ لوگ رفتہ رفتہ عہد جدید کی نسبت بھی اسی قسم کی باتیں کہنے لگ جائیں گے ہیں صرف یہ کہوں گا۔ کہ اس امر پر سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت ہے جب مسیحی اس اعلیٰ مقیاس کے کسی قدر قریب قریب پہنچنے کے جو مسیحی دین پیش کرتا ہے۔ قابل ہو جائے گی۔ تو یہ بھی غنیمت سمجھا جائے گا۔ اس مقیاس سے پرے نکل جانا تو ایک دوسری بات ہے۔ یہ مقیاس اب قریباً انیس سو بیس برس سے ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ رسولوں کے زمانہ سے لے کر کسی زمانہ کی نسبت زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں مگر تو بھی کیا کوئی قوم اور کوئی فرد بشر یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اُس نے قریباً اُسے حاصل کر لیا ہے؟ اِس مقیاس سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ ہم ابھی تک برابر اُس کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ہم سے

پرے اور بلند نظر آتا ہے۔

عہد عتیق کا عہد جدید سے مقابلہ کرنے میں اس امر کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان دونوں کے درمیان وہ واقعہ حائل ہے جو تاریخ عالم کا مرکز ہے یعنی مسیح کا جسم انسانی اختیار کرنا۔ جو کچھ اس سے پہلے ہوا وہ سب اس کے لئے تیاری کے طور پر تھا۔ اور جو کچھ اس کے بعد واقع ہوا۔ وہ سب اسی واقعہ کی تشریح اور تفصیل اور اسی کے نتائج کو عملی صورت میں ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

عہد عتیق تیاری کے طور پر تھا۔ عہد جدید خاتمہ ہے۔ عہد عتیق کی تعلیم اگرچہ اعلیٰ اور خوبصورت ہے تاہم کامل نہیں۔ وہ بہت صدیوں میں رفتہ رفتہ ترقی پاتی رہی ہے۔ اور بہت عرصہ تک رفتہ رفتہ روز روشن کی طرف بڑھتی چلی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وقت پورا ہونے پر خدا نے اپنا فرزند بھیج دیا۔ اب عہدِ جدید کی تعلیم شروع ہوئی۔ بتدریج نہیں۔ اور نہ فقط عہدِ عتیق کی تعلیم کے لحاظ سے بطور ایک قدم آگے بڑھنے کے بلکہ وہ دفعتاً اور ایک ہی بار اپنی ساری۔ آب و تاب میں جلوہ گر ہوئی۔ اور اس لئے اس زمانہ کی حالت سے جس میں وہ رائج ہوئی۔ اس قدر بلند و بالا تھی کہ اس وقت بھی حالانکہ اُسے انیس صدیاں گذر چکی ہیں۔ اور لوگ برابر اس کے حصول کے لئے جد و جہد کرتے رہے ہیں۔ تو بھی اس قدر بلند معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ سورج آسمان میں ہم سے بلند نظر آتا ہے۔ گیٹی کا قول ہے کہ ذہنی تہذیب و تربیت خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے، علوم طبیعیہ گہرائی اور چوڑائی میں کتنی ہی فراخی حاصل کیوں نہ کر لیں۔ ذہن انسانی خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے۔ تو بھی وہ کبھی مسیحی تعلیم کی عظمت اور اس کی اخلاقی تہذیب کے پرے نہیں جا سکتا۔ جیسے کہ مسیح کی انجیل میں درخشاں نظر آتی ہے۔

تیسرا اعتراض

"اگر عہد عتیق کی تعلیم ایسی ناقص اور ابتدائی ہے۔ تو ہمیں اس کے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اُسے بالکل ترک کر دیں۔ اور فقط عہد جدید کے مطالعہ کو کافی سمجھلیں؟"

جو شخص اس قسم کے اعتراض کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے عہدِ عتیق کی بابت اور نیز اس تعلق کی بابت جو وہ عہد جدید سے رکھتا ہے صحیح خیال نہیں باندھا۔ اور صاف ظاہر ہے۔ کہ اس کا خیال اس خیال کی نسبت بہت مختلف ہے۔ جو ہمارا خداوند اور اس کے رسول عہدِ عتیق کی نسبت رکھتے تھے۔ اور جس کا ثبوت اس طریق سے ملتا ہے جس کے مطابق وہ عہد عتیق کے صحیفوں کو استعمال کرتے تھے۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ عہد عتیق کو عہد جدید کے لئے راستہ تیار کرنے والا سمجھنا چاہیئے مگر یہ تیاری ایسی نہیں۔ جیسے کہ عمارت کے لئے پاڑ باندھی جاتی ہے۔ کہ جب عمارت ختم ہو جاوے۔ تو ہٹا دی جائے۔ بلکہ وہ بطور بنیاد دل کے ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔

عہد جدید کی تعلیم عہد عتیق کی تعلیم کو ہٹا دینے والی یا منسوخ کر دینے والی نہیں ہے۔ بلکہ وہ عہد عتیق کی ابتدائی تعلیم کے لئے بطور نشوونما اور ترقی کے ہے۔ مثلاً عہد عتیق کی شریعت جو قتل اور زنا کے بیرونی افعال کے لئے تھی وہ عہد عتیق میں ایک اعلیٰ حالت کو پہنچا دی گئی ہے۔ کہ آدمی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے بھائی سے دشمنی رکھے۔ اور کہ اُسے اپنے دل میں کبھی بُری باتوں کا خیال نہیں آنے دینا چاہیئے۔ عہد جدید کی تاریخ ایک نئی تاریخ نہیں ہے۔ بلکہ عہد عتیق کی تاریخ کا تتمہ ہے۔ وہ اس امر کی کہانی ہے۔ کہ وہ معاملہ جس کے لئے عہد عتیق تیار کر رہا تھا۔ اور جس کا وہ منتظر تھا۔ اب تکمیل کو پہنچ گیا۔

اس لئے عہد جدید کامل طور پر سمجھا نہیں جا سکتا جب تک کہ اُسے عہدِ عتیق کے

ساتھ رکھ کر نہ دیکھا جائے۔ اس میں جو پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے ان پیشین گوئیوں کا علم ایک لابدی امر ہے۔ اس کی روحانی تعلیم کے اعلیٰ درجہ کو سمجھنے کے لئے اس امر کا خیال ضروری ہے۔ کہ کس طرح بتدریج طویل عرصہ تک اس تعلیم کے لئے تیاری ہوتی رہی۔ اور جب ہم اس خیال پر لحاظ کرتے ہیں۔ کہ کس طرح انسان نے طویل زمانوں میں درجہ بدرجہ روحانی امور کی تعلیم حاصل کی۔ تو ہم ان سارے زمانوں میں ایک الٰہی مقصد و مدعا کا عمل نظر آتا ہے۔ اور اس سے ہم خدا کی حکمت اور صبر کو نا معلوم کرنا سیکھتے ہیں۔

عہد عتیق اور عہد جدید ایک دوسرے سے جدا جدا نہیں کئے جا سکتے۔ دونوں ہمیشہ کے لئے مسیح میں متحد ہیں۔ وہ گویا ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہے! اور ان دونوں کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ عہدِ عتیق نا کامل اور بطور تیاری کے ہے۔ مگر وہ ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ ہم اس کی کم قدری کریں اور اسے الگ ڈال دیں۔ "یہ مت سمجھو کہ میں توریت اور نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ وہ اس قدیمی اور ابتدائی تعلیم کو لے کر اور اسے ایک زیادہ عمیق اور روحانی اور اعلیٰ صورت میں تبدیل کر کے ہمیں واپس دیتا ہے۔ وہ قدیم نبوتوں کو لیتا ہے۔ اور ہمیں بتاتا ہے کہ "یہ وہ ہیں جو میرے حق میں گواہی دیتی ہیں" وہ یہ دکھاتا ہے کہ تمام عہد عتیق اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور پھر اسے مکمل بنا کر ہمارے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ پرانا تعلیمی قاعدہ پھینک نہیں دیا جاتا۔ اور نہ بطور ایک قدیمی چیزوں کی یادگار کے رکھا جاتا ہے۔ بلکہ ہمیں مسیح کی زندگی اور تعلیم اور کام کے پورے مکاشفے کی روشنی میں اسے از سر نو مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ہاں بائبل ایک ہی ہے۔ اور اس کے تمام اجزا کل کی تکمیل اور کاملیت کے واسطے ضروری ہیں بعض لوگ اسے ایک بڑی جماعت یا گرجا گھر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں جس کی تعمیر

میں پندرہ سو سال کا عرصہ خرچ ہوا ہو۔ عہد عتیق کو اس گرجا یا مندر کا بیرونی حصّہ سمجھنا چاہیئے۔ زبور اور انبیا بطور اس کے دونوں پہلوؤں کے ہیں۔ اور اناجیل امام کے کھڑے ہونے کی جگہ اور چوتھی انجیل کو گویا بطور قدس الاقداس کے یا اندرونی مقام کے سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کے گرد اگرد اور پیچھے رسولوں کے خطوط اور مکاشفات کی کتاب ہے۔ جن میں سے ہر ایک گویا بجائے خود ایک خوبصورت موتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اُس عالیشان عمارت کی حسن کی خوبصورتی کو ترقی دینے میں مدد دیتی ہے[1]

۱۱

خاتمہ

اس باب میں یہ نہایت ضروری تھا۔ کہ خدا کی تعلیم کو بتدریج ترقی پانے اور نیز اس امر کا کہ عہد عتیق عہد جدید کی نسبت سے ادنیٰ ہے بیان کیا جائے۔ اور تاہم جب میں ان عالیشان اور رُوح کے ہلا دینے والے الفاظ کا جو عہد عتیق کے ابتدائی حصہ میں بھی نظر آتے ہیں خیال کرتا ہوں تو مجھے خواہ مخواہ اُن کے حق میں اس قسم کے معذرت نامہ لکھنے سے شرم آتی ہے کیا کوئی دس بارہ مثالوں کی ادنیٰ اخلاقی حالت کی بابت جو عہدِ عتیق میں پائی جاتی ہیں۔ لکھتے ہوئے مجھے ایسے طور پر لکھنا پڑا ہے۔ کہ گویا عہدِ عتیق میں کوئی بھی ایسی شان اور خوبصورتی اور جلال نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس زمانہ کے لحاظ سے جس میں لکھا گیا۔ تاریخ کا عالی شان معجزہ معلوم ہوتا ہے +

جب میں اس کہانی کو پڑھنا شروع کرتا ہوں۔ کہ کس طرح خدا نے بنی انسان کو رفتہ رفتہ روحانی امور میں تعلیم و تربیت کیا تو یہ کیسی عجیب کہانی معلوم ہوتی ہے۔ یہ

---

[1] ادکسین لڈن صاحب منقول از "عہدِ عتیق کا الٰہی کتب خانہ" مصنفہ کرک پیٹرک صاحب +

کتنی بڑی دلیل اس کے الہامی کتاب ہونے کے حق میں ہے؟
اور جب میں اس کے ساتھ ہی یہ دیکھتا ہوں۔ کہ یہ لوگ اس تعلیم کے حاصل کرنے کے لئے کس قدر نارضامند تھے۔ تو مجھے اور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے۔
جب میں اُس زمانہ کی جب کہ زبور لکھے گئے دنیاوی "تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں۔ خواہ ان کی تاریخ کو کتنا ہی زمانہ مابعد میں کیوں نہ ٹھیراؤ۔ اور جب میں اس زمانہ کی گندگی اور ناپاکی کو ملاحظہ کرتا ہوں۔ اور یہ بھی دیکھتا ہوں۔ کہ وہ لوگ خدا اور فرض کے متعلق کیسے ادنیٰ خیال رکھتے تھے۔ اور لکڑی اور پتھر کے بتوں پر ستش پر کس قدر شیدا تھے۔ اور جب میں اس تاریخ کو اپنی بائیبل کھول کر زبور کی کتاب کے مقابلہ میں رکھتا ہوں۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سخت سے سخت ملحد بھی اس اختلاف کو دیکھ کر ایک نمایاں فرق کا قائل ہو جائے گا۔ اس کے الفاظ پر غور کرو تو سہی کس طرح گناہوں سے پشیمانی ظاہر کر کے توبہ اور معافی کی التجا کی جاتی ہے کس طرح خدا کی مقبولیت۔ زندگی کی پاکیزگی اور عفت کے لئے آرزومندی ظاہر کی جاتی ہے کس طرح یہوواہ کی نیکی اور بھلائی کے خیال سے خوشی و خرمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ وہ ان کے اعتقاد میں "اسرائیل کا قدوس" اور وہ باپ ہے۔ جو اپنے بچوں پر ترس کھاتا ہے۔ وہ خدا۔ خدائے رحیم و کریم اور برداشت کرنے والا ہے۔ جو شفقت اور وفا میں بڑھ کر ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ ہم کس چیز سے بنے ہیں۔ وہ یاد رکھتا ہے۔ کہ ہم مٹی ہی تو ہیں"۔
بھلا انسان ان الفاظ کے تحریک دینے والے اثر سے کس طرح بچ سکتا ہے؟ اور پھر یہ خیال کر کے کہ وہ کس زمانے میں لکھے گئے اُسے معجزے سے کم کیا سمجھے گا؟ بھلا انسان خود خدا کے جلال کے حضور میں کس طرح ایسی سرد مہری سے نکتہ چینی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ کولنز صاحب ایک شخص کی تصویر کھینچتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں

کہ" جب میں اپنی روح کی خوشی اور محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اور بائیبل کی کتابیں یکے بعد دیگرے میرے حافظہ کی آنکھوں کے سامنے گذر رہی تھیں۔ اور میں شریعت اور سچائی اور نیک نمونوں۔ نبوتوں اور دلچسپ گیتوں اور ہزارہا ہزار آوازوں کے نغموں اور مقدسوں اور انبیار کی مقبول شدہ دعاؤں کا ذکر کر رہا تھا۔ جو گویا آسمان سے ہمارے پاس آتے ہیں۔ اور ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا فاختہ روحانی خوشیوں اور غموں اور ضروریات کے بوجھوں سے لدے ہوئے چلے آتے ہیں۔ تو وہ جوں ہی میں اپنے بیان کو ختم کر چکتا ہوں۔ تو بڑی سرد مہری کے ساتھ میری طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے۔ کہ کیا تمہیں ولیٹرہ کے برکت کے کلمات اور زبوروں کی وہ آیات جن میں دشمنوں پر لعنت کی گئی ہے یاد ہیں؟ "

تنقید اعلیٰ

تنقید اعلیٰ یعنی ہائر کرٹی سزم (Higher Criticism) اس تنقید وتحقیقات کا نام ہے۔ جو بائیبل کے صحیفوں کے مصنف تاریخ تصنیف ذرائع وینابیع اور ترتیب وترکیب اور ان خاص حالات کے متعلق جن کی وجہ سے وہ تصنیف وتالیف ہوئے کی جاتی ہے۔ مطالعہ بائیبل کے متعلق یہ ایک نسبتاً نئی شاخ علم ہے۔ اس کا نام اعلیٰ یا نئی تنقید اس لئے رکھا گیا ہے۔ تاکہ اُسے ادنیٰ یا پرانی تنقید سے جس کا تعلق فقط متن کی صحت اور اُن وسائل سے تھا۔ جن کے ذریعہ سے اس قسم کی سہو و اغلاط دریافت کی جاتی اور درست ہوسکتی تھیں۔

شاید بعض ناظرین کو معلوم ہوگا۔ کہ کچھ عرصہ سے انگلستان میں اس امر پر بحث مباحثہ ہو رہا ہے۔ کہ آیا جو نظمیں اور ناٹک انگلستان کے مشہور ومعروف شاعر شیکسپیر کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ فی الحقیقت اسی شخص کے لکھے

ہوئے ہیں۔ یا کسی اور کے بعض لوگ اس امر پر زور دیتے ہیں۔ کہ وہ لارڈ بیکن کے لکھے ہوئے ہیں۔ محض اس بنا پر کہ اُس کی عبارت اور بعض خیالات اُس سے ملتے یا مشابہت رکھتے ہیں۔ اس مثال سے کچھ کچھ یہ امر سمجھ میں آسکتا ہے کہ تنقید اگر علمی اور تاریخی پہلو کو چھوڑ بیٹھے۔ تو بھٹکتی بھٹکتی کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر تو بھی اس تنقید نے شکسپیئر کے مطالعہ اور دیگر امور کی تحقیقات کے متعلق بہت کچھ دلچسپ اور مفید باتیں دریافت کی ہیں۔ مثلاً اندرونی اور تاریخی شہادت کی بنا پر یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ بعض ناٹک جو اس وقت شیکسپیر کی جلد میں شامل ہیں۔ درحقیقت شیکسپیر کے نہیں ہیں۔ بلکہ کسی اور گمنام مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کی طرز کلام اور خیالات کو بڑی امعان نظر سے پرکھا گیا ہے اور اس کے مصدّقہ ناٹکوں سے ان کا بیّن اختلاف دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں اس امر کے متعلق نہایت دلچسپ تحقیقاتیں کی گئی ہیں کہ شیکسپیئر کے ناٹکوں کا منبع کیا تھا۔ اس نے کون کون سی تاریخی کتابوں یا قصّہ کہانیوں سے اُن کا ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ اور پھر اس کے ہمعصر مصنفّوں کی تحریروں سے مدد لے کر بہت سے دقیق اور مشتبہ مضامین کی تشریح کے متعلق ضروری اطلاع حاصل کی گئی ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بعض اوقات لوگ محض بیہودہ مفروضات کی بنا پر ایسے ایسے نتائج نکال بیٹھے ہیں جنہیں پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ مگر فی الجملہ اس قسم کی تحقیقات علم حاصل کرنے کا ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ اور اس کے ذریعے سے شیکسپیر کے مطالعے اور اس کا لطف اُٹھانے میں بہت امداد ملتی ہے۔

اب مذہبی دنیا میں اس اعلیٰ تنقید نے بائبل کے ساتھ بھی کچھ کچھ ایسا ہی کیا ہے۔ جو لوگ اس فن تنقید کے ماہر اور طالب علم ہیں۔ اگر ان سے دریافت کیا

جائے کہ ان کے اس کام کا مقصد و منشا کیا ہے۔ تو وہ یہی کہیں گے۔ کہ بائبل میں کئی ایک صحیفے ایسے ہیں جن کی صورت سے ہی صاف ظاہر ہے کہ وہ زیادہ قدیمی مگر فی الحال گم شدہ نسخوں اور نوشتوں کی بنا پر تالیف کی گئی ہیں۔ بعض ایسے ہیں۔ جن میں ظاہراً کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی مگر تو بھی ان کی رائے میں ان میں ایسے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان پر کسی مرتب یا ڈیٹر کا قلم چلا ہے۔ جس نے انہیں خاص خاص مجموعوں میں ترتیب دیا۔ یا ان کے نا مکمل بیانات کی تکمیل کی۔ یا کسی نہ کسی طرح اصلی کتاب میں صحت و ترمیم کی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بعض کتابوں کا توجہ سے مطالعہ کیا جائے۔ تو اس امر میں شبہ کرنے کے لئے وجوہات ملتی ہیں۔ کہ وہ درحقیقت اس مصنف کی جس کے نام سے منسوب ہیں۔ لکھی ہوئی نہیں ہیں۔

وہ تمہیں بتائیں گے۔ کہ ان کی غرض اس طور سے پاک نوشتوں کو مطالعہ کرنے سے یہ ہے۔ کہ ان کے دل میں کتاب اللہ کی عزت و توقیر جاگزین ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں۔ کہ جس قدر روشنی اس پر پڑنی ممکن ہو اس کے مطالعہ کے لئے مہیا کر دیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر ان کتابوں کو ان کی صحیح تاریخی مسند پر رکھا جائے۔ اور ان کے زمانہ تحریر اور غرض تحریر کا بخوبی علم حاصل کیا جائے۔ تو اس سے ان کتابوں کے مطالب کو سمجھنے اور ان کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

مگر شائد کوئی شخص یہ سوال کرے کہ بھلا ان کتابوں کی نسبت جنہیں صد سال گزر گئے۔ خاص کر عہدِ عتیق کے متعلق جس پر زیادہ تر ان علما کی توجہ لگی ہوئی ہے۔ اتنی صدیوں کے بعد علما کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ قدیمی تواریخ کی کتابیں اس مضمون پر خاموش نظر آتی ہیں؟ مگر اس کا وہ

یہ جواب دیں گے۔ کہ ہم اسی طرح اس کی تحقیقات کر سکتے ہیں۔ جیسے لوگ شیکسپیر یا دیگر قدیمی کتابوں کی کرتے ہیں۔ مختلف زمانوں کی زبان اور علم ادب کا بڑے غور و توجہ سے مطالعہ کرنے کے بعد وہ مختلف زمانوں کے مصنّفوں میں امتیاز کر سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح۔ جیسے مختلف زمانوں کی اردو یا انگریزی تصنیفات کو امتیاز کرنا ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کسی مصنّف کی طرزِ تحریر اور خاص خاص فقرات اور الفاظ کا جو اس سے مخصوص ہیں۔ بڑی ذرسنی کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد وہ فوراً اس امر کو پہچان لیتے ہیں۔ کہ کہاں کہاں کسی غیر شخص کی تحریر کی ملاوٹ کا نشان پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی مصنف کے کلام میں اس کے مقامی حالات کا رنگ دیکھ لیتے ہیں۔ یا ایسی ایسی اشیا یا رسوم و دستورات کا ذکر پاتے ہیں۔ جو کسی خاص زمانہ یا ملک سے مخصوص تھے۔ یا کہیں کہیں اس زمانہ کی تاریخ ہی کی طرف کوئی سرسری اشارہ مل جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے مدد حاصل کر کے وہ بائبل کے زبور یا تاریخ یا دیگر امور کے متعلق فیصلے قائم کرتے ہیں÷

۲

تنقیدِ اعلیٰ کی چند مثالیں

شائد بہتر ہوگا۔ کہ میں چند سادہ نمونے پیش کر کے اس امر کی توضیح کر دوں۔ شاید ناظرین نے اس تنقید کا ذکر تورات کے متعلّق سنا ہوگا۔ کہ آیا وہ حضرت موسیٰ کی تصنیف ہے یا نہیں۔ کیوں کہ عموماً یہ مسئلہ بہت مشہور و عام ہو رہا ہے اس لئے ہم اسی کو بطورِ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ میں اس وقت کسی خاص پہلو کو اختیار نہیں کرتا۔ نہ کسی خاص فریق کے ساتھ اتفاقِ رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس مقدمہ کا صرف اس لئے ذکر کرتا ہوں۔ کہ اعلیٰ تنقید کی غرض و مقصد اچھی

طرح سے لوگوں کے ذہن نشین کر دوں ۔

توراۃ یعنی موسیٰ کی پانچ کتابوں کی نسبت یہودی ہمیشہ سے یہ اعتقاد رکھتے آئے ہیں۔ کہ وہ عہدِ عتیق کے دیگر جملہ صحیفوں سے زیادہ مقدس اور قابل تعظیم ہے۔ اور وہ کبھی یہ جرأت نہیں کرتے تھے کہ اُس کی نسبت کسی قسم کی نکتہ چینی کو دخل دیں کبھی کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ کہ اُن کی نسبت اس قسم کے سوال اٹھائے کہ اُس کا مصنف کون ہے۔ اور وہ کب اور کس طور سے تالیف و تصنیف ہوئی۔ عموماً یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ نے اس کو اس صورت میں جس میں وہ اب موجود ہے لکھا تھا۔ مگر تو بھی بعض اشخاص کو یہ عجیب معلوم ہوا کرتا تھا۔ کہ اسی کتاب میں موسیٰ کی وفات کا حال بھی درج ہے۔ اور اس کے حق میں اس قسم کے کلمات لکھے ہیں۔ کہ وہ یعنی موسیٰ "سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے۔ زیادہ حلیم تھا۔" اور "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا۔" اور "آج کے دن تک کوئی اُس کی قبر کو نہیں جانتا۔" نیز یہ کہ اثنائے تحریر میں لکھنے والا ہمیشہ اس گذشتہ زمانے کی طرف اشارہ کرتا رہتا ہے "جب کہ بنی اسرائیل بیابان میں تھے۔" اور "کنعانی ملک میں تھے"۔ اور مشرقی ممالک کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ "یردن کے اس پار" بتاتا ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ مصنف فلسطین کے ملک میں یردن کے مغربی علاقہ میں رہتا تھا۔ اور جغرافیے کے متعلق کسی سوال کو حل کرتے ہوئے وہ گویا بطور سند کے ایک قدیمی کتاب یعنی "یہوواہ کے جنگ نامہ" سے نقل کرتا ہے۔ جو کسی طرح سے موسیٰ کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔ اور اسی قسم کی دوسری مشکلات بھی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ تنقید کے ابتدائی زمانہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ "اس اعتقاد کے لئے کیا سند ہے۔ کہ حضرت موسیٰ ان کتابوں کی موجودہ صورت میں اِن کا مصنف مانا گیا ہے؟"

اور یہ معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہودی کلیسیا ہمیشہ سے یہی مانتی چلی آئی ہے۔ اس وجہ سے نکتہ چینوں نے اپنے کو موسیٰ کی تورات کے مصنف ہونے پر اعتراض کرنے کے لئے آزاد سمجھا۔ یا کم سے کم یہ مانا کہ موسیٰ کی تحریریں فقط بطور مصالح یا مصالح کے ایک حصہ تھیں۔ جن کی مدد سے اُن کے اصلی مصنّف یا اڈیٹر نے موجودہ "پانچ صحیفے" جو حضرت موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں تیار کر لئے +

یہ بات تو بالکل صاف تھی کہ موسیٰ نے ایک شریعت کی کتاب لکھی تھی خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی[1]۔ اور اُسے حکم ملا تھا کہ عمالیقیوں کی لڑائی کا حال "کتاب میں لکھے۔" اور اس نے بنی اسرائیل کے سفروں کا حال تحریر کیا۔ اور جب وہ یہ لکھ چکا تو اس نے اُسے کاہنوں کے حوالے کر دیا۔ اور ان کو یہ ہدایت کی کہ ہر ساتویں سال خیموں کے عہد کے موقعہ پر اُسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا کریں۔ اور وہ خیمہ کے صندوق میں رکھی جائے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے بطور ایک گواہ کے رہے۔ مگر صاف ظاہر ہے۔ کہ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا۔ کہ یہ ساری کی ساری پانچوں کتابیں جیسی کہ وہ اس وقت موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ نے تحریر کی تھیں +

اب اس تنقید اعلیٰ کے مسئلوں میں سے جس پر وہ اپنی ساری طاقت خرچ کرتی رہی ہے۔ یہ مسئلہ بھی ہے۔ کیا موسیٰ ساری تورات کا پیدائش سے لے کر استثنا کی کتاب تک اس کی ایک ایک سطر کا لکھنے والا ہے؟ مگر ایک اور سوال ہے جس سے ہم اس نئے علم کے طریق عمل کی نسبت زیادہ وضاحت سے سیکھ سکتے ہیں۔ یہ سوال مصنف کی نسبت نہیں بلکہ کتاب کی تالیف و ترتیب کے متعلق ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ موسیٰ ہی تورات کے صحیفوں کا مصنف ہے۔

---

[1] دیکھو حضرت یوشع کی کتاب ۸: ۳۲ +

توکیا ان میں سے کسی یا سب میں ایسے ایسے مسودے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ جو موسیٰ کے زمانہ سے پہلے کے تھے؟

اٹھارھویں صدی کے وسط میں پہلے پہل اس مسئلہ پر باقاعدہ طور سے غور و توجہ شروع ہوئی۔ ایک فرانسیسی طبیب استرک نامی نے اس کی طرف توجہ دلائی۔ کہ پیدائش ۱ باب تا ۲ : ۳ میں پیدائش خلقت کا ایک مسلسل بیان درج ہے۔ مگر اس سے اگلی آیت میں ایک بالکل دوسرا بیان شروع ہوتا ہے۔ جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولف نے اپنی تحریر میں دو مختلف روایتوں کو لے کر شامل کر دیا ہے۔ یہ دونوں کہانیاں اُس کے نزدیک بلحاظ طرز عبادت اور واقعات کی ترتیب اور خاص کر ایک اور امر کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔ جس کی وجہ سے پہلے پہل اُس کی توجہ اُدھر منعطف ہوئی تھی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک بیان میں تو خدا کے لئے لفظ الوہیم استعمال ہوا ہے۔ اور دوسرے میں یہوواہ الوہیم چنانچہ اُردو ترجمہ میں بھی لفظ خدا۔ اور خداوند خدا استعمال ہوئے ہیں جس سے یہ فرق نمایاں ہو سکتا ہے۔ جب اور زیادہ تحقیقات کی گئی تو بہت سے لوگوں کے نزدیک اس امر کی تصدیق ہو گئی۔ اور انہوں نے یہ دریافت کیا۔ کہ ساری توریت میں یہوواہ نام والے اور الوہیم نام والے نسخے خلط ملط ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کئی مختلف شجرہ نسب ہیں۔ جو مصنف یا مرتب نے جوں کے توں اُٹھا کر اپنی کتاب میں درج کر لئے ہیں۔ اس خیال کو اگرچہ بعض جرمنی کے علما نے بڑھاتے بڑھاتے بے ہودگی کے درجے کو پہنچا دیا ہے۔ مگر اس کو اب قریباً تمام بائیبل کے علما تسلیم کر گئے ہیں۔ خیر خواہ کچھ ہی ہو ہمیں اس جگہ اس خیال کی خوبی یا نقص سے کچھ بحث نہیں ہے ہم یہاں صرف اُسے بطور مثال کے پیش کرتے ہیں۔ تا کہ لوگوں کو اس "اعلیٰ تنقید"

کی حقیقت معلوم ہو جائے ÷

۳

ایک نامعقول تشویش

اگرچہ ہم اِس تنقید کے حامیوں کے بعض خیالات سے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں۔ تو بھی اس امر کو تسلیم کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اِس "تنقید اعلیٰ" کے خلاف لوگوں نے بہت سی غلط اور بیہودہ باتیں اڑا رکھی ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں اُن کے ایمان کی حالت بائیبل اور خدا کے متعلق کچھ بہت قابل تعریف نہیں معلوم ہوتی مگر یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ جب موسیٰ کے کتاب پیدائش کے مصنف ہونے کا سوال اُٹھایا گیا۔ تو لوگوں میں اس قدر تشویش پھیل گئی تھی۔ گویا کہ الٰہی بادشاہت کی بنیادیں اسی پر منحصر تھیں۔ تنقید اعلیٰ کا کام فقط یہ ہے کہ بائیبل کے صحیفوں کے متعلق جو کچھ راست و صحیح ہو اُسے دریافت کرلے۔ اور لوگوں سے صرف اس بات کے ماننے کی اُمید کی جاتی ہے جس کی صحت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ وہ ہرگز اس امر پر مجبور نہیں ہیں۔ کہ جو بیہودہ باتیں بھی حامیان تنقید اُن کے سامنے پیش کریں خواہ مخواہ ان پر یقین کریں۔ ان کا کام فقط یہ ہے۔ کہ ساری باتوں کو آزمائیں اور جو صحیح اور راست ہو اُسے قبول کریں ÷

اس لئے اس تنقید کے حق میں یہ کہنا کہ "وہ بائیبل پر حملہ کرتی ہے"۔ یا "ہمارے ایمان کی دشمن" ہے۔ نامناسب اور خلاف انسانیت ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ان عقائد میں جو عام طور پر بائیبل کی نسبت مروج ہیں۔ بعض بعض مشکلات ہیں۔ مثلاً یہی توریت کا معاملہ جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں جو شخص ان مشکلات کے حل کرنے اور ان کی تشریح و توضیح کرنے کی کوشش کرے۔ اُسے بائیبل پر حملہ کرنے والا

سمجھنا ضرور نہیں۔ اور نہ یہ امر ایک صاحب عقل و ہوش انسان کے سزاوار ہے کہ اس قسم کے سوالوں پر غور و فکر کرنے سے انکار کرے:۔

قدیمی مسلّمہ عقائد کے زور و طاقت کی یہ ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ اس موقعہ پر بعض مقدّس آدمی جو بلحاظ ذہنی قابلیتوں کے اعلیٰ اقتدار رکھتے تھے۔ گھبرا اُٹھے۔ اور انہوں نے اِس نئے علم کو بُرے بُرے ناموں سے خطاب کرنا شروع کیا۔ کہ وہ "خوفناک" "نوشتوں کو پامال کرنے والا" ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ بعض نکتہ چین اپنی مبالغہ آمیز رائیوں کے لحاظ سے کسی قدر اس قسم کے خطابوں کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک بالکل دوسری بات ہے ہمیں اس وقت بیہودہ یا مبالغہ آمیز خیالوں سے بحث نہیں۔ بلکہ اُن ثابت شدہ اور قرین قیاس مطالب سے۔ جو اس قسم کی تحقیقات سے منتج ہو سکتے ہیں:۔

جب کبھی کسی پُرانے مسلّمہ اعتقاد پر حملہ ہوا کرتا ہے۔ خواہ اس کی بنیاد کیسی ہی ضعیف کیوں نہ ہو۔ تو اکثر ہل چل مچ جایا کرتی ہے۔ ہم پہلے ہی لفظی الہام سہو و خطا سے بریت اور ترقی پذیر الہام کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے اس امر کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کی نسبت بھی لوگ یہ سمجھتے تھے۔ کہ مروّجہ عقائد کا کاٹنا خود الہام کی جڑ کاٹنا ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ خدا نے کہیں اس قسم کے مروّجہ عقائد کی تصدیق نہیں کی۔ اور ان کا نفسِ الہام پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سبق کی مکرر سہ کرر ہر ایک نئے موقعہ پر از سرِ نو سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لوگ اس وقت یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ عہد عتیق کے صحیفوں کے مسلّمہ مضمونوں یا تاریخ تصنیف کے متعلق کسی قسم کے اعتراض کرنا گویا اعتقاد کی جڑ اکھاڑنا ہے۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ یہ باتیں اعتقاد کی جڑ اکھاڑتی ہیں مگر کس

اعتقاد کی؟ صرف اسی مرد یہ عقیدہ کی کہ کتابوں کے نام بھی خدا کے الہام کئے ہوئے ہیں ۔ اور ان کتابوں کو بعض مصنفوں کے نام کی سند پر قبول کرنا چاہیئے ہمیں کس شخص نے بتایا ہے ۔ کہ موسیٰ نے کتاب پیدائش کی تحریر کی تھی ۔ یا یوشع اور سموئیل نے وہ کتابیں لکھی تھیں ۔ جو ان کے نام سے منسوب ہیں؟ کیا بائیبل یہ کہتی ہے ۔ کہ یہ کتابیں درحقیقت انہیں اشخاص نے لکھی ہیں؟ کیا یہ کوئی بڑی ضروری بات ہے ۔ کہ ان کے لکھنے والا کون ہے؟ اس اَمر سے البتہ اُن کی تاریخ تصنیف کے قائم کرنے میں مدد ملے تو ملے ۔

اگر بالفرض انہوں نے ان کتابوں کو لکھا بھی ۔ تو بھی یہ امر قابلِ لحاظ ہے ۔ کہ انہوں نے اس امر کو اپنے ہی دل میں چھپائے رکھا ۔ کیوں کہ انہوں نے ہمیں نہیں بتایا ۔ نہ انہوں نے اس بنا پر ہم کو ان کتابوں پر اعتقاد رکھنے کی ترغیب دی ۔ کہ یہ اُن کی لکھی ہوئی ہیں ۔ ہرگز نہیں ۔ البتہ یہ تو سچ ہے ۔ کہ ان مروجی بیانات کی تائید میں اب بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے ۔ جو نکتہ چینیوں کے بہت سی دلائل کی نسبت جو اس کے خلاف پیش کی جاتی ہیں ۔ میں ہرگز نہیں کہہ سکتے ۔ مگر سوال زیر بحث یہ نہیں ہے ۔ کہ ان میں سے کون راست ہے ۔ سوال یہ ہے کہ "آیا اس قسم کے عقائد کے متزلزل ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک تشویش و پریشانی کی حالت میں پڑ جانا مناسب ہے؟ کیا بائیبل کے صحیفوں ۔ خاص کر عہدِ عتیق کے صحیفوں کے مصنفوں کے متعلق ہمارے علم میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہونا کوئی قابل اندیشہ بات ہے؟ یہ ممکن ہے ۔ کہ جب اس شور و شر کی دھول بیٹھ جائے ۔ تو آخرکار ہمارے عقائد جوں کے توں پائے جائیں ۔ مگر ہم کیوں خواہ مخواہ ان عقائد کو عظمت دے رہے ہیں ۔ مثلاً انبیائے اصغر کے صحیفوں پر نظر کرو ۔ یہودی نسخہ بائیبل میں یہ سب صحیفے ایک ہی کتاب میں مجتمع ہیں ۔ ہمیں ان اشخاص کے حالات کی

کچھ خبر نہیں۔ وہ مجلس یا فقیہ جنہوں نے ان کو جمع کیا۔ ان کے آبا کے نام یا اُس عہد کے علاوہ جس میں وہ مبعوث ہوئے۔ ان کی نسبت اور کچھ نہیں جانتے۔ یقیناً ان کے ناموں سے اُن کی تصانیف کو کوئی سند و اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ اس کتاب کے شروع میں فقط یہ الفاظ لکھے ہوتے کہ "مجموعہ صحف انبیار" تو بتائیے ہمارے لئے اس بات سے کیا فرق پیدا ہو جاتا؟ کیا اس وقت ہمیں یہ کہا جاتا کہ ان انبیار کے اسمار کو نہ جاننا ہمارے ایمان کے لئے خطرناک ہے؟

ہمیں کہا جاتا ہے کہ اگر ہم اس امر پر اعتقاد نہ رکھیں کہ ساری توراۃ جیسے کہ وہ آج کل موجود ہے۔ لفظ بلفظ موسیٰ کی لکھی ہوئی ہے۔ تو اس سے ہمارے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس بات سے انکار کرنے میں کیا برائی ہے۔ اگر ہمارے پاس اس قسم کے یقین کے لئے وجوہات ہوں۔ کہ جس کسی نے اس کو لکھا۔ اس کے پاس اس کے لکھنے کے لئے ضروری وسائل موجود تھے؟ کیا اس امر کا یقین کرنا خوفناک ہے۔ کہ زبورِ داؤد میں سے بہت سے مزامیر حضرت داؤد کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ہم یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ کون کون سے زبور اس کے لکھے ہوئے ہیں؟ کیا ہمارے ایمان کے لئے اس امر کا جاننا خوفناک ہے۔ کہ امثال سلیمان میں اگور این یاکہ کے امثال اور نیز وہ امثال بھی جو شاہ لیموئیل کی ماں نے اس کو سکھائیں شامل ہیں۔ اور ہم نہیں جانتے کہ یہ لوگ کون تھے؟ ہم کیوں اس سبق کے سیکھنے سے پہلو تہی کرتے ہیں جس پر بائبل بھی زور دیتی ہے۔ کہ کتابوں کی سند و اختیار اس امر پہ منحصر نہیں ہے۔ کہ ان کے لکھنے والے کون کون تھے۔ بلکہ اس امر پر کہ وہ خدا کی طرف سے الہام ہوئی ہیں۔ اور کلیسیا نے مشیت ایزدی کی ہدایت سے اُن میں سے ایسی ایسی کتابوں کو محفوظ رکھا جو تعلیم اور تادیب اور اصلاح۔ اور راستی میں

تربیت کرنے کے لئے ضروری تھیں ؛

۷

اعلیٰ تنقید کے خطرات

ناظرین کے لئے "اعلیٰ تنقید" کی بے اعتباری ثابت کرنے کے لئے فقط اُن تخیلات کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ جو اس کے حد سے بڑھے ہوئے شیدائیوں نے گذشتہ چند سالوں میں ظاہر کئے ہیں۔ اور میں بھی اس امر میں انہیں قابل الزام نہیں ٹھیراتا۔ ایک شخص جلے دل سے لکھتا ہے۔ کہ "ان نقادوں کی تحریروں سے ہم اس امر کی آگاہی حاصل کرتے ہیں کہ بائیبل پرستی ممکن ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم کرتے ہیں۔ کہ یاوہ گوئی اور ژاژ خائی بھی ایسے ہی ممکنات میں سے ہے"۔ اور اس شخص کا یہ قول برمحل بھی ہے۔ جو لوگ بائیبل کے لفظی الہام اور سہو و نسیان سے بریت کے ماننے والوں کو بے وقوف اور احمق سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بہت ایسے بھی ہیں۔ جو بائیبل کے مطالعہ کو اپنے اسی قسم کے بے بنیاد مفروضات کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو بائیبل کا مطالعہ اِس مسئلہ کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ کہ چونکہ اقوام کی ابتدائی حالت میں جب وہ تربیت و تعلیم سے بے بہرہ ہوتی ہیں۔ عام کاروبار میں بالائی قدرت واقعات کو دخل دینا ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے بائیبل کی قدیمی تواریخوں میں جہاں کہیں بالائی قدرت باتوں کا ذکر ہے۔ انہیں محض قصہ کہانی اور دیوتاؤں کی حکائتیں سمجھنا چاہیئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ ان کی تشریح و توضیح کر کے انہیں طبعی واقعات کے صیغہ میں داخل کر دینا چاہیئے۔ ان لوگوں کے درمیان جلدباز اور شورہ سر لوگ بھی ہیں۔ جو زبردستی کی منطق کے ساتھ بڑے بڑے نتائج پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور

بجائے اس کے کہ وقت کو اجازت دیں۔ کہ وہ ان دعووں کی صحت کو محک امتحان پر کھہ کر اُن کی صحت و غلطی کو قائم کرے۔ وہ بڑے بڑے دعوے کے ساتھ خم ٹھونک کر کہنے لگتے ہیں۔ کہ "یہ امور تنقید کے ذریعے سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔" ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو اپنی عقل و تمیز پر اس قدر ناز ہے۔ کہ وہ تاریخ و تصنیف و ترتیب و ترکیب کے بڑے بڑے اہم امور پر محض اپنے ذہنی مفروضات اور مصنف کی عبارت اور خصلت اور خیالات کے بنا پر حکم لگانے بیٹھ جاتے ہیں۔ نقاد کو ایسا خیال گذرتا ہے۔ کہ بعض فقرات کسی مصنف کی طرز تحریر یا طرز خیال کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتے۔ اور اس لئے دوسرے اشخاص کی رائے کا انتظار کئے بغیر جو اس امر میں ایسی ہی لیاقت و قابلیت رکھتے ہیں وہ بڑے اطمینان سے ان کو خط وحدانی میں رکھ کر ان پر الفاظ "غالب ہے کہ بعد میں ایزاد کئے گئے"۔ یا "کسی اور شخص نے داخل کر دئے"۔ لکھ دیتا ہے۔

اس قسم کی باتیں ہیں جن سے "تنقید اعلیٰ" کا نام بدنام ہو گیا ہے۔ اور لوگوں کو اس کے سنتے ہی چڑ آتی ہے۔ انہیں باتوں سے ایسے بے سرو پا مسائل ایجاد ہوئے۔ جو نہ صرف مسئلہ الہام سے ہی لگاؤ نہیں رکھتے۔ بلکہ عہد عتیق کی معمولی صحت و درستی اور قابل اعتبار ہونے سے بھی۔ مگر اس کو علمی لحاظ سے باقاعدہ تنقید نہیں کہنا چاہئے۔ اور نہ حقیقی عالمانہ تنقید اس قسم کی بے اعتدالیوں کے لئے جواب دِہ ہو سکتی ہے۔ شاید بعض لوگ ان کے حوصلے اور جرأت کے لئے ان کے مداح ہوں مگر حوصلہ اور جرات گو مناسب محل پر کتنی ہی قابل تعریف ہو۔ تو بھی ایسے اہم معاملوں میں خاص کر بائبل کے متعلقہ مطالب پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ احتیاط اور حیا اور

کلام اللہ کا ادب و عزت بھی شامل نہ ہو۔ اُسے ضرور خوفناک اور بے محل سمجھنا پڑے گا۔ کڑوے دانوں کے اکھاڑنے میں خالص گندم کو بھی اُکھاڑ دینا آسان ہے۔ اور ہر ایک انسان کو چاہیئے۔ کہ ایسے اہم اور نازک معاملوں میں جن کا تعلق اُس ادب و عزت سے ہو۔ جو صدیوں سے بائبل کے حق میں لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہے مزید احتیاط اور دور اندیشی پر کار بند رہو۔

۵

تنقید کی مناسب حیثیت

مگر مخالفوں کی اِس دلیری اور جرات کے مقابلہ میں ہمیں سزاوار نہیں۔ کہ ہم بھی سمت مقابل میں حد سے باہر نکل جائیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ اِن خوفناک اور بے بنیاد مسائل کی نسبت اپنی ناراضگی ظاہر کرتے کرتے اس حد کو پہنچ جائیں۔ کہ خود "اعلیٰ تنقید" پر ہی لعنت بھیجنا شروع کریں۔ یا جو لوگ اس میں مشغول ہیں ان کے حق میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگ جائیں۔ تیزی اور جلد بازی اور زٹل ہر ایک نو ایجاد علم کے ابتدائی زمانوں میں خوف و ضرر کا باعث ہیں۔ اور جوانی کے تمام عیبوں کی طرح جوں جوں وہ عمر میں ترقی کرتا جائے گا۔ وہ دن بدن یہ بھی کم ہوتے جائیں گے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ "اعلیٰ تنقید" کے سب ہی علما ایسے تند مزاج اور جلد باز نہیں ہیں۔ ہم کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے۔ کہ اس کا اصلی مقصد یہ ہے۔ کہ بائبل کے متعلق سچائی اور محض سچائی کو دریافت کرے۔ یقیناً جس قدر وہ اس امر میں کامیابی حاصل کریں۔ اسی قدر وہ قدردانی کے سزاوار ہیں۔ خواہ اُن کی تحقیقات سے ہمیں اپنے پہلے دل پسند خیالات بدلنے ہی کیوں نہ پڑیں۔ سچائی ہمیشہ ایسی ہی چیزوں کو برباد کیا کرتی ہے۔ جو اسی لائق ہوتی ہیں۔ اور خواہ کچھ ہی ہو۔ خدا

بھی ہم سے یہی چاہتا ہے۔ کہ ہم سچائی کی پیروی کریں۔ خواہ وہ ہمیں کہیں کیوں نہ لے جائے۔ یا اُس کا کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ نکلے۔

مگر اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ کہ ہم ان بائیبل کے نکتہ چینوں کے تمام فیصلوں کو صرف اس وجہ سے کہ یہ اُن کے فیصلہ میں سچا سمجھ کر مان لیں۔ ہم کو اُن کے علم اور لیاقت کے لئے اُن کی عزت کرنی چاہیئے۔ اور اُن کی صاف دلی اور حق جوئی کے لئے اُن کو آفرین کہنی چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایسے مشکل سوالات کے حل کرنے کے لئے عبرانی علم ادب اور تاریخ سے بھی کچھ بڑھ کر جاننے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ہمیں ہر قسم کی دوسری شہادت کو بھی نہ صرف اس خاص شہادت کو جو "تنقیدِ اعلیٰ" کے عالموں سے ملتی ہے۔ پرکھنا چاہیئے۔ اس کے لئے ایک تلے ہوئے دماغ اور فراخ دِل اور انصاف پسند روح کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ایک با ادب مذہبی میلان جس سے ہماری مراد زود اعتقادی نہیں ہے۔ اور صحیفے کے مقصد و نفس مضمون کی تہ تک پہنچ جانے کی قابلیت کی بھی حاجت ہے جس کے سوا کسی کتاب کی صحیح تنقید و موازنہ کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ ایک شخص عبرانی اور علم اللسان اور تاریخ سے کامل واقفیت رکھتا ہو۔ اور تنقید و موازنہ میں بھی ماہر و تجربہ کار ہو۔ مگر پھر بھی عہدِ عتیق کے صحیفوں کی اصل و ترکیب و تاریخِ تحریر کی نسبت صحیح رائے نہ دے سکے۔

اس لئے اگرچہ ہمیں ماہرانِ علم تنقید کی علمیت اور قابلیت کا اعتراف ہے۔ تو بھی ہم انہیں یاد دلانا چاہتے ہیں۔ کہ ان کی اصلی حیثیت ایک گواہ کی ہے۔ نہ کہ جج کی۔ ہماری قانونی عدالتوں میں اکثر اس امر کی ضرورت پڑتی ہے۔ کہ ہر دو فریق کی جانب سے خاص خاص علم و فن کے ماہرین۔ خواہ ڈاکٹر ہوں یا انجینیر یا کوئی

اور فن والے۔ طالب کئے جاتے ہیں۔ اور ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ ان کی شہادت باہم کیسی مختلف و متضاد ہوتی ہے۔ لیکن گو ان کی شہادت کسی امر کے تصفیہ کے لئے نہایت ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ تو بھی مقدمہ کا فیصلہ ان کے سپرد نہیں کیا جاتا اور سب لوگ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگرچہ ماہرین علوم و فنون کسی امر متعلقہ میں شہادت دینے کے لئے کیسے ہی لائق و فائق کیوں نہ ہو۔ تو بھی اُن کا ایک جج کی کرسی پر بیٹھ کر کسی معاملہ کے متعلق صحیح صحیح فیصلہ دینا ایک دوسری بات ہے۔ جج یا جوری بننے کے لئے اس کے علاوہ اور بہت سی قابلیتوں کی کی ضرورت ہوتی ہے ؀

اب ہمیں چاہیئے کہ اس امر کو ہمیشہ مدّ نظر رکھیں۔ اور پھر جو کچھ یقینی سچائی ہم کو ان علمار کے ذریعے سے حاصل ہو اُسے ہمیشہ قبول کرنے کو تیار رہیں۔" جب تنقید ادب و عزت سے کی جائے۔ جب وہ سرے سے یہ دعوٰے نہ کر بیٹھے۔ کہ کوئی بالائی قدرت ظہور تاریخی لحاظ سے صحیح مانے جانے کے قابل نہیں۔ جب وہ اس امر کے امکان سے منکر نہ ہو۔ کہ خُدا اپنا مکاشفہ انسان کو دیتا ہے۔ اور جب وہ تاریخی تحقیقات کے صحیح اصولوں پر کاربند ہو۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ مسیحی لوگ خواہ مخواہ اس کی مخالفت کریں۔" جو لوگ اس حالت میں بھی بائیبل کی اعلیٰ تنقید کا منہ بند کرنے کی کوشش کریں۔ اور خواہ مخواہ شور و غوغا مچائیں۔ اُن کی حالت قابل رحم سمجھی جانی چاہیئے۔ جہاں کہیں گذشتہ زمانوں میں مسیحیوں نے مذہب نام سے کسی نئے علم و دریافت کی مخالفت کی ہے۔ اور پھر منکی کھا کر ہار ماننے کو مجبور ہوئے ہیں۔ اس سے سوائے شرم و افسوس کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ آج کل ہمیں اسی تجربہ کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جس شخص کا خدا پر سچا ایمان و اعتقاد ہے۔ وہ کبھی سچائی سے خائف نہیں ہوگا۔ یہ یاد رکھو کہ خدا اپنی سچائی کی آپ

محافظت کر سکتا ہے۔ اور ہم میں سے کون ہے۔ جو دعوئے سے کہہ سکے کہ یہ تنقید بھی اس کی سچائی کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ نہیں ہے"۔ کیوں کہ یہ کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے۔ تو آپ برباد ہو جائے گا۔ اور اگر خدا کی طرف سے ہے۔ تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے"۔

۶۔

کیا اِس کے نتائج سے ڈرنا چاہیئے؟

بعض آزاد خیال لوگ اکثر اس طور پر گفتگو کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا ان کے نزدیک بائیبل کی نسبت خواہ کچھ ہی تسلیم کیوں نہ کر لیں۔ تو بھی اس کے اعتبار و الہام میں فرق نہیں آئے گا مگر یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ اس قسم کی مقررہ حدود ہیں جن سے باہر ہم نہیں جا سکتے۔ بعض اس قسم کی باتیں ہیں۔ جن میں اگر شہادت کی بنا پر ہم ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ تو اُس سے بائیبل کا عام اعتبار اُٹھ جائیگا۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کا الہامی ہونے کا دعوےٰ بھی باطل ٹھہرے گا۔ کیا ہمیں کسی اس قسم کے خطرہ کا اندیشہ کرنا چاہیئے؟

سب سے پہلے اس امر کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ اغلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ عہد عتیق کے متعلق جو تحقیقات و جستجو ہو رہی ہے۔ اس کا آخری نتیجہ شاید ایسا اہم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ہم اس وقت اُمید کرنے پر مائل ہیں۔ ہم عہد جدید کی کتابوں کی اسی قسم کی تحقیقات پر پیچھے نظر دوڑاتے ہیں۔ جس سے چند سال ہوئے سخت بے چینی پھیل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے سامنے بہت سی کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ جو ہمیں اس بے چینی کی عظمت کو یاد دلاتی رہتی ہیں۔ لیکن اب جب کہ اس قسم کے مباحثہ و مجادلہ کا بازار سرد ہو گیا ہے

ہم ٹھنڈے دل سے اس امر کو دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ان تمام حملوں اور حملوں کے جوابوں میں سے جو کچھ اب ہمارے پاس باقی رہ گیا ہے۔ اس سے صرف چند ہی قابل تسلیم باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ اور اس سے بہت ہی تھوڑی کو قابل تعریف تبدیلی۔ ان خیالات میں ہوئی ہے جو لوگ خدا یا بائیبل کے حق میں رکھتے تھے۔ بلاشبہ عہد عتیق کے متعلق جو حال میں جستجو رہی ہے۔ اس سے اس کی نسبت بڑھ کر اہم نتائج پیدا ہوں گے۔ مگر گزشتہ تجربہ کی بنا پر ہم یہ اُمید کر سکتے ہیں۔ کہ بہت سے دعوے جو بڑے وثوق کے ساتھ آج پیش کئے جاتے ہیں۔ شاید آئندہ پشت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی متروک و فراموش ہو جائیں گے۔

مگر شاید کوئی کہے کہ میں اس بات کو مان کر یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ کیا ممکن نہیں۔ کہ یہ "باقی ماندہ قابل تسلیم اُمور" جو آخرکار "تنقید اعلیٰ" کے ذریعہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں۔ ایسے ہوں کہ بائیبل کی نسبت ہمارے اعتقاد کو بالکل کمزور کر دیں؟

میں ہرگز ایسا خیال نہیں کرتا۔ اس قسم کے خوف و اندیشہ کی وجہ خاص کر یہ ہے۔ کہ آج کل لوگ انہیں امور پر زیادہ تر گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ جو زیادہ حیرت بخش ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے اُن باتوں کو ایک قسم کی حد سے بڑھی ہوئی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بہت سے دعوے جو بعض نقادوں نے خاص کر اہل جرمن نے۔ بائیبل کے حق میں پیش کئے ہیں۔ اگر وہ ثابت ہو جائیں۔ تو اس سے سخت تشویش پیدا ہو گی۔ اور وہ کسی قسم کے عقیدہ الہام کے ساتھ جوڑ نہیں کھا سکتے۔ مگر اس سے ہمیں بے چین نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بحث مباحثہ کی گرم بازاری

میں لوگ طرح طرح کے دعوے کر بیٹھا کرتے ہیں۔ اور ظاہراً دل خوش کن دلائل سے اُن کی تائید بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ہم گذشتہ مباحثوں اور مجادلوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔ تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جو اس وقت ہو رہی ہے۔ ایسے ہی حیرت انگیز دعوے پہلے بھی پیش ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ ابھی چند ہی سال کی تو بات ہے۔ جب کہ عہد جدید کے متعلق مباحثہ کا بازار گرم تھا۔ تو ایسی ہی باتیں سننے میں آیا کرتی تھیں۔ اگر ایسی ایسی باتیں دیکھ کر ہمارا سر پھر جائے۔ تو ہمیں اس قسم کی بے چینی سے کبھی بھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ ہمارے دامن سے لگی رہے گی ؛

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ کتاب مقدّس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ ایسے ہی خطرات کے درمیان میں کاٹا ہے۔ مگر پھر بھی آج تک صحیح سلامت موجود ہے۔ کیوں کہ جب تک بہت سے علماء و فضلا مختلف مسائل کی نسبت اتفاق رائے ظاہر نہ کریں۔ تب تک ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ کون کون سی باتیں قرار پا گئی ہیں۔ مگر اس پر اتفاق رائے کا ابھی تک ہمیں کسی مسئلہ کی بابت کوئی نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ ہمیں اُن بہت سی مضبوط دلائل کو بھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ جن کی بنا پر ہم بائیبل کے الہامی ہونے کے قائل ہیں۔ اور اِس لئے ان دعوٰں کا جو اس کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتے سچا ہونا کیسا غیر اغلب ہے ؛

اور خاص کر ہمیں بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے دل کو اُس کا فیصلہ پر لگانا چاہیئے۔ جو ہمارے خداوند نے عہد عتیق کے حق میں دیا تھا۔ وہ ان تمام عام اعتقادوں کو جو اس کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں بائیبل کی نسبت جاگزین

تھے۔ نہیں مانتا تھا۔ اور نہ وہ ان روایتوں کا قائل تھا۔ جنہیں تقدس کے لحاظ سے بائیبل کے برابر رتبہ دیا جاتا تھا۔ نہ وہ ان عام اعتقادوں کو جو آج کل ہمارے زمانہ میں مروّج ہیں مانتا تھا۔ مگر ان عام اعتقادوں سے قطع نظر کر کے وہ ایک بات کا ضرور قائل تھا۔ اور اس کا اُس نے اپنی سند و اختیار سے اعلان کر دیا۔ پہلی صدی مسیحی میں مشکل سے کوئی یہودی ہوگا۔ جو یسوع ناصری سے بڑھ کر اس امر کا معتقد ہو۔ کہ یہودی کلیسیا کے عہد عتیق کی کتابوں کے مجموعہ کو خدا کی الہام کی ہوئی تعلیم سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے۔ جب کبھی عہد عتیق کے اعتبار و اختیار پر حملہ ہوا اور شک وشبہ اور بے چینی کا دور دورہ ہو تو ہم کو اپنے اطمینان قلب کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے آقا نے خدا کی کتابیں تسلیم کر لیا ہے۔ اور وہ ہمیشہ ان سے سند لیا کرتا تھا۔ "آسمان و زمین ٹل جائیں گے۔ مگر اس کی باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔"

لیکن جہاں ہمیں یہ پورا اعتماد ہے۔ کہ غالباً کوئی ایسی بات جو درحقیقت اُن کے الہام کی منافی ہے۔ ثابت نہ ہوگی۔ تو بھی ہمیں اس امر میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کہ کن کن باتوں کو درحقیقت منافی الہام سمجھنا چاہیئے۔ بہت کچھ بے چینی جو اس وقت تنقید اعلیٰ کے خلاف پھیل رہی ہے۔ اس کی بنیاد زیادہ تر اس امر پر ہے۔ کہ بعض نیک آدمیوں نے اِسی کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ جن کے نزدیک "قدیم طریقوں" کی پابندی یہ معنی رکھتی ہے۔ کہ قدیم غلطیوں کی بھی پابندی کی جائے۔ دن بدن علماء کے اِس امر پر اتفاق ہونے کے آثار نظر آتے ہیں۔ کہ بعض باتیں جنہیں یہ لوگ بائیبل کے حق میں خوفناک سمجھے بیٹھے ہیں۔ آخر کار ثابت شدہ اُمور کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔

اِن باتوں کا ذکر کرتے ہوئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے اصل منشار کا بھی اظہار کر دوں۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ ہم کو یہ تمام باتیں مان لینی چاہئیں۔ نہ یہ کہ ان میں سے بہت سی باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں۔ جو کچھ میری غرض ہے۔ سو یہ ہے کہ ناظرین کو چاہیئے۔ کہ ان سوالات کا بے خوف وخطر مقابلہ کرکے بلا رورعایت ان کا اپنے لئے فیصلہ کریں فرض کرو کہ تنقید کے ذریعے سے یہ تمام باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں۔ تو کیا ہمیں بائیبل کی سند واعتبار کے جاتے رہنے کا خوف ہے؟

فرض کرو کہ تنقید اس امر کو ثابت کر دے کہ توراۃ کی پانچوں کتابیں محض قدیم موسوی تحریرات کی ترتیب دینے سے بنی ہیں۔ یا وہ ایک مصنّف کی نہیں۔ بلکہ مختلف مصنفوں کی تصانیف کا مجموعہ ہیں۔ یا اگر یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ کہ یسعیاہ کی کتاب کے ابواب ۴۰ تا ۶۶ کسی اور "نامعلوم بزرگ" کی تصنیف ہیں۔ جو یسعیاہ نبی کی کتاب کے ساتھ شامل کر دیئے گئے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلیمان کی امثال کی کتاب کے آخر میں اگور اور لیموئیل کی مثالیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ تو بتائیے پھر کیا؟ بھلا اس سے بائیبل کی حقیقی قدر وقیمت کو کیا نقصان پہنچے گا؟

نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مضطرب کرنے والے دعوے کو لو۔ فرض کرو کہ یہ امر قابل اطمینان طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ کہ موسیٰ اس شریعت کا جو توراۃ کی پانچوں کتابوں میں درج ہے۔ فقط ایک جز اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ اور بعد ازاں دوسرے قوانین کے مجموعوں کی باختیار آدمیوں کے ذریعہ سے اس میں توسیع وافزائی ہوتی رہی۔ یا کنعان میں پہنچنے کے بعد لوگوں کے مختلف حالات اور ضروریات کی وجہ سے ان میں مناسب ترمیم

ہوتی رہی۔ بلکہ اس امر کو بھی فرض کر لو کہ آخری تصحیح و ترمیم جلاوطنی یعنی قید بابل کے بعد واقع ہوئی۔ یاد رہے کہ ایسا کہنے سے میری ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ میرے نزدیک یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔ مگر فرض کرو۔ کہ یہ ثابت ہو بھی جائے تو پھر کیا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ خدا کسی قوم کو بتدریج اور بہت سے اشخاص کے ذریعہ سے تعلیم دے۔ اور یہ طور و طریق بھی ایسا ہی موثر اور کارآمد ہو۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا۔ کہ وہ سب کچھ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی آدمی کے ذریعہ سے سکھا دیتا؟ اور اس نے ہمیں کہیں بھی یہ نہیں بتایا۔ کہ اس نے ان دونوں طریقوں میں سے خاص طور پر کسی ایک کو اختیار کیا ہے۔

اگر تنقید کے ذریعہ معقول دلائل کی بنا پر ثابت ہو جائے۔ کہ بعض مروجہ بیانات کتابوں کے مصنفوں کے متعلق صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ اگر ہم اس امر میں شُبہ کی حالت میں چھوڑ دیے جائیں۔ کہ ان کتابوں کے مصنّف درحقیقت کون تھے۔ تو کیا ہمارے واسطے اس بات کو معلوم کر لینا فائدہ سے خالی ہو گا۔ کہ ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم خواہ مخواہ کتابوں کے سرناموں کو بھی الہامی سمجھ بیٹھیں۔ جیسا کہ ہم ان تواریخ و سنین کو بھی جو کسی کسی بائیبل کے حاشیہ پر لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ الہامی نہیں سمجھتے ہیں؟ اور اسی طرح ان صحیفوں کے مصنفوں کا جاننا بھی بہت صورتوں میں ایسا گراں قدر معاملہ نہیں ہے۔

یا اگر ہمیں یہ دکھایا جائے کہ عہدِ عتیق کا کوئی صحیفہ اس زمانہ سے جو ہم نے ٹھیرایا ہوا ہے۔ کوئی سو دو سو سال بعد کا لکھا ہوا ہے۔ تو اس میں حیرانی و گھبراہٹ کی کونسی وجہ ہے۔ بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے۔ کہ مصنّف کو ضروری اطلاع

ملنے کے وسائل حاصل تھے؟ اگر خدا ان الفاظ کے ذریعہ سے جو اس نے
قدیم زمانہ میں الہام کئے ہمارے دلوں میں تاثیر کرتا ہے۔ اور ہماری ضمیر دل
کو اکساتا ہے۔ تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ کہ وہ ایک دو صدی پہلے لکھے
گئے تھے یا پیچھے؟

اگر ہمیں یہ دکھایا جائے۔ کہ قدیمی الہامی مورخوں نے بجائے اس کے کہ
بنی اسرائیل کی تاریخ کو غیر متزلزل درستی وصحت کے ساتھ لفظ بلفظ خدا کی
زبان سے سن کر تحریر کریں۔ زمانہ حال کے مورخوں کی طرح بڑی محنت کے
ساتھ پرانی تاریخوں، روزنامچوں، دفتروں اور نسب ناموں کا مطالعہ اور
چھان بین کر کے لکھی ہے۔ جس میں اس خطرہ کو گنجائش تھی کہ ان نوشتوں
کی غلطیاں ان کی تحریرات میں بھی دخل پا جائیں۔ اگر ہم کو یہ بتایا جائے کہ
اس قسم کی تحریرات بھی ایسی ہی الہامی ہیں۔ جیسے کہ ایک محو ومجذوب
نبی کی رویا یا وہ خیالات جو اُس کی روح میں بلا واسطہ خدا کی طرف سے
القا ہوتے۔ تو اس میں کون سی بات ہے۔ جس سے ہمیں مضطرب و پریشان
خاطر ہونا چاہیئے؟ اگر ہمیں پہلے یہ علم نہ تھا۔ کہ یہ کتابیں کس طرح تصنیف و
تالیف ہوئیں۔ تو کیا ہمیں اس شخص کا شکر گذار نہیں ہونا چاہیئے۔ جو ہمیں
اس بات کو بتا دے؟ اگر ہمارے پہلے تصوّرات الہام کی نسبت غلط تھے
تو کیا اُن کی صحت و درستی کے لئے ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیئے؟

یا اگر ہم کو یہ جتایا جائے کہ ایوب کی کتاب کس طرح ایک ڈراما کے طور
پر ہے۔ اور ایک دہی تصویر کے طور پر شیطان کے خدا کے بیٹوں کی جماعت
کے ساتھ آنے اور یہوواہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور کہ وہ ایک
نظم ہے۔ جس میں ایوب اور اس کے دوست زندگی کے رازوں پر بحث

مباحثہ کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یا اگر ہمیں یہ کہا جائے کہ مشرقی ممالک
کے شعر و شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں خواہ مخواہ یہ یقین کرنا پڑتا ہے
کہ اس سارے واقعہ کو لفظی طور پر صحیح واقعہ نہیں ماننا چاہیئے۔ بلکہ یہ محض
ایک منظوم ناٹک ہے۔ جس میں قدیم بزرگوں کی زندگی اور اطوار کی بنا پر "دکھ
کے راز" پر بحث کی گئی ہے۔ تو کیا اس سے کتاب میں ایک قسم کی خوبصورتی
اور معقولیت نمایاں نہیں ہو جاتی؟ کیا روح القدس لوگوں کو نظم یا فسانہ
اور ڈراما کے ذریعہ تعلیم نہیں دے سکتا تھا۔ جیسے کہ ہمارے خداوند نے بعد
ازاں "مصرف بیٹی" کی تمثیل اور دولت مند اور لعاذر کی حکایت کے
اعلیٰ روحانی سچائیوں کی تعلیم دی؟

۷

ایک معقول ذہنی حالت

اب ہمیں تنقید اعلےٰ پر اس پہلو سے نظر کرنی چاہیئے۔ ہر ایک بات جو وہ
معقول طور پر ثابت کر سکے۔ نہ وہ جس کا وہ فقط دعوےٰ یا اظہار کرے ا۔
اُسے فقط صدق دِل سے ہی نہیں۔ بلکہ شکر گذاری کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے
کیوں کہ تمام صداقت و سچائی منجانب اللہ ہے۔ اور اس سے آخر کار سوائے
بہتری کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ ہمیں خواہ مخواہ "ہٹ دھرمی" سے عہدِ
عتیق کے الہام یا الہٰی سند کو کسی پہلے ہی سی ٹھانی ہوئی بات پر بازی کے
طور پر لگا نہیں دینا چاہیئے۔ کہ ہمارے نزدیک یہ کتابیں اس طور سے
یا اس صورت میں الہام ہونی چاہیئے تھیں۔ ہمیں صاف دل کے ساتھ
اس تمام شہادت کو سننے اور غور کرنے کے لئے جو ہمارے سامنے پیش کی

جائے تیار رہنا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں کسی امر کی بابت قطعی فیصلہ کرنے کے لئے جلد بازی کو بھی کام میں نہیں لانا چاہیئے۔ ہمیں نئے نئے دعووں اور بیانوں کو قبول کرنے کے لئے بڑی احتیاط برتنی چاہیئے۔ اور جو کچھ قدیمی خیال کی تائید میں کہا جا سکتا ہے۔ پہلے اس پر اچھی طرح غور وفکر کر لینی چاہیئے۔ ہماری صاف دلی اور دلیری میں ادب ولحاظ کو دخل ہونا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی بڑی احتیاط اور سنجیدگی کے ساتھ شہادت کی جانچ پڑتال کرنی چاہیئے۔ اور ہماری دلی خواہش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ہم بلا وجہ دوسروں کے مسلمہ اور مرغوب عقائد کو ہرگز تہ و بالا نہیں کریں گے ٭

اور ہم کو ہمیشہ اس امر کے ماننے کے لئے رضامند و تیار رہنا چاہیئے۔ کہ اور لوگ بھی دیانتدار اور راستی پسند ہیں۔ اور ان کے دل میں بھی خدا اور بائبل کی نسبت ایسی ہی عزت ولحاظ جاگزین ہے ہمیں ہرگز لوگوں کی دینداری یا دیانت داری کے متعلق بے جا شبہات کو جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ اور نہ ان کی نسبت طرح طرح کی بدظنیاں پیدا کرنی چاہیئیں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ اس قسم کے مسائل کی تائید کرتے ہیں۔ کہ موسےٰ نے توریت کی پانچوں کتابیں تمام دکمال تصنیف نہیں کیں۔ اور کہ پاک نوشتوں میں ہمارے خیال کی نسبت زیادہ تر انسانی عنصر کو دخل ہے ٭

اور آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دل میں خدا اور سچائی کی نسبت اور نیز روح قدس کے آزادانہ عمل و اختیار کی بابت زیادہ زیادہ اعتقاد ہونا چاہیئے۔ اور ہم کو زیادہ زیادہ دعا کے ساتھ بائبل

کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جس قدر زیادہ ہم بائیبل کے "اندرونی راز" سے واقف ہوتے جائیں گے۔ اسی قدر ہم کو اس کے الہٰی نور و قدرت کا زیادہ زیادہ یقین ہوتا جائے گا۔ اور ہم اس بات کے قائل ہوتے جائیں گے۔ کہ جو مسئلہ اس کے الہام کے اعتقاد کے ساتھ میل نہیں کھائے گا۔ وہ یقیناً غلط ہوگا جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اچھے بھلے آدمی۔ جب کبھی کوئی نئی بات ایسی ظاہر ہوتی ہے۔ جو اُن کے مسلمہ عقائد کو مضطرب کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ تو وہ خواہ مخواہ خدا کی بادشاہت کے لیئے فکر مند اور ہراساں ہوتے لگتے ہیں۔ تو ہمیں اُن کی اس حالت کو دیکھ کر ترس آتا ہے۔ اگر بالفرض ہمارے خیالات میں خدا کے کسی فعل کے طریق عمل کی نسبت کچھ فرق آجائے۔ تو اس سے وہ فعل زائل نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح اگر الہام کی نسبت ہمارے عقائد میں کوئی تبدیلی واقع ہو جائے۔ تو یقیناً اس سے الہام کی حقیقت زائل نہیں ہو جاتی جیسے کہ علم نباتات کے سلسلہ کی صحت و درستی کرنے سے پھولوں کی خوشبو میں کسی قسم کا فرق نہیں آجاتا۔

اس طرح بڑے ٹھنڈے دل سے اور پورے اعتماد کے ساتھ نہ تو تیزی کو اور نہ تعصب کو دل میں جگہ دے کر ہمیں تنقید اعلیٰ کے علم کو استعمال کرنا چاہیئے۔ یہ سمجھ کر کہ یہ بھی خدا کی اچھی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے سے سچائی کے متعلق زیادہ وسیع خیالات رکھنا سیکھیں۔ اور اگر ہم اُسے اس طرح استعمال کریں گے۔ تو ہم دیکھیں گے۔ کہ اس کے ذریعہ ہمیں بجائے اپنے نقصان پر

ہراساں وخوف زدہ ہونے کے زیادہ تر خوش وخرم ہونا چاہیئے +

کسی قدیم ملک کا ایک قصہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آگ نے پہاڑیوں کو تاخت وتاراج کرتے ہوئے تمام پھولوں اور پتوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ جس سے ملک کی صورت بالکل بدل گئی۔ لیکن جب لوگ اپنے نقصان کے لئے افسوس کر رہے تھے۔ تو دفعتاً انہوں نے دریافت کیا۔ کہ آگ جس نے پھول پتوں کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کی گرمی سے بعض چٹانوں کی دراریں کھل گئیں۔ اور ان میں سے چاندی کی ایک قیمتی کان نظر آنے لگی +

"یہ باتیں بطور تمثیل کہے ہیں"۔ کیوں کہ اگر اس تنقید اور نکتہ چینی کی آگ سے ہمارے کسی دل پسند روایتی عقیدہ میں فرق آ بھی جائے۔ تو ہمیں اس کی جگہ سچائی کا زیادہ گہرا علم حاصل ہوگا۔ ہم اس کے ذریعہ سے الہام کی حقیقت اور حدود سے واقف ہو جاویں گے۔ اور خدا کے ان طریقوں کو جن کے مطابق وہ انسان کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ ہم اس کے ذریعہ بہت سی غلطیوں اور غلط فہمیوں سے خبردار ہو جائیں گے۔ جو اس وقت بہت سے لوگوں کو بائیبل سے دور ہٹا رہی ہیں۔ ہم اُن حالات کا زیادہ زیادہ علم حاصل کریں گے۔ جن کے درمیان بائیبل لکھی گئی تھی۔ اور نیز اس کے لکھنے والوں کی اخلاقی اور ذہنی حالت اور ایسے خاص خاص حالات سے بھی واقف ہو جائیں گے۔ جن کے سبب انہیں ان کی تصنیف وتالیف کی تحریک ہوئی۔ ہم اُن کے خیالات

اور طرز بیان سے زیادہ آشنا ہوں گے۔ اور ان کے زمانہ کی اخلاقی اور تمدّنی حالت کو بھی بہتر طور سے پرکھ سکیں گے۔ ہم اپنے کو ان قدیمی مصنفوں اور اُن کے ہم عصروں کی جگہ رکھنے یا یوں کہو کہ ان کے پہلو سے اشیا پر نظر کرنے کی قابلیت حاصل کریں گے۔ اور ان دونوں کے خیالات و حسّیات کی ماہیت کو بخوبی سمجھ سکیں گے۔ اور اس طور سے اُن زمانوں کی تصویر اپنے سارے رنگ و روغن کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آئے گی۔ تاریخ ترو تازہ اور واقعی اور انسانی دلچسپی سے معمور دکھائی دینے لگے گی۔ اور سچّائیاں اب ہمارے لئے ایسے گہرے معنوں سے بھری ہوئی دکھائی دیں گی۔ جیسی پہلے کبھی نہ ہوئی ہوں گی ؛

۱

اور اب پیارے پڑھنے والے۔ میں اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں مجھے ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کہ میرے خیالات بڑے عالی اور کامل ہیں۔ اور نہ میں جیسا کہ چاہیئے۔ اس مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے اس کا حق ادا کر سکا ہوں۔ لیکن خیر جو ہُوا سو ہُوا۔ آؤ۔ اب ہم چند لمحوں کے لئے ان نتائج پر غور کریں۔ جو اس کتاب کے مطالعہ سے ہم نے حاصل کئے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں اپنے مضطرب و پریشان خاطر دوستوں کی بعض مشکلات پر غور کیا ہے۔ اور معلوم کیا ہے۔ کہ ان کی بنا زیادہ تر تعصّب اور غلط فہمی پر ہے۔ کیوں کہ انہوں نے بلا تحقیق بعض مشہور عوام مفروضات کو قبول کر لیا تھا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ اسلام کی سچی حد و تعریف قائم کرنے کا صحیح طریق یہ نہیں ہے۔ کہ ہم پہلے ہی اس امر کا فیصلہ کر لیں۔ کہ خدا کو کیا کرنا ضرور تھا۔ بلکہ یہ کہ بائیبل کو مطالعہ کر کے دیکھیں۔ کہ اس نے کیا کچھ کیا ہے۔ اس طریق تحقیقات پر عمل کرنے سے ہمیں مجبوراً بائیبل کے متعلق اپنے بعض مسلّمہ خیالات کی ترمیم کرنی پڑی ہے۔ مگر ساتھ ہی

میں نے یہ جتا دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اور اس لئے ہمیں اس سے گھبرانا اور بے چین نہیں ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ یہی عام خیالی جنہیں ہم بھی قابلِ تسلیم نہیں پاتے۔ انہیں تمام تعلیم یافتہ علمار علم الٰہی بھی ردّ کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے خود بائیبل یا کلیسیا کی تعلیم میں بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی؎

مجھے یقین ہے۔ کہ اس امر پہ زور دینے سے نہ صرف پریشان خاطر مسیحی ہی تسلی حاصل کریں گے جن کے لئے میں نے یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ بلکہ بعض راستی پسند منکرین بھی جن کی نظر سے یہ کتاب گذرے۔ اور شاید وہ یہ بھی معلوم کر لیں گے۔ کہ وہ غلطی سے منکرین کے زمرہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور جس بات کی وہ اب تک مخالفت و تردید کرتے رہے ہیں۔ وہ بائبل نہ تھی بلکہ محض ڈھکوسلے تھے۔ جو لوگوں نے اس کی نسبت بنا رکھے تھے؎

۲

ممکن ہے کہ بعض ناظرین ان خیالات کے پڑھنے سے جو اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔ پہلے پہل کچھ پریشان خاطر ہو جائیں۔ ایسے ضروری اور اہم معاملات کے متعلق اپنے اعتقادیات کو از سر نو ترتیب دینے میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ پریشانی ہونی ہی چاہیئے۔ ہم ایک لمحہ بھر میں ایک نئے پہلو کو اختیار نہیں کر سکتے لیکن اگر ذرا غور و فکر کریں گے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس قسم کی بے چینی کی کچھ ضرورت نہیں۔ بائبل کی بنیادیں اس وقت پہلے کی نسبت کچھ کم مضبوط نہیں ہیں۔ نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس وقت کی نسبت زیادہ مضبوط ہیں۔ جب کہ اعلیٰ تنقید کا ہر ایک

نیا خیال اور ہر ایک نیا واقعہ جو بنی اسرائیل کی محض مبتدیانہ علمی واقفیت سے اختلاف کرتا ہوا دریافت ہوتا تھا۔ اور جس سے لوگوں کے دلوں میں الٰہی سلطنت کی بنیادوں کے اکھڑ جانے کی نسبت طرح طرح کے وسوسے اور خوف پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ بائبل کی سند و اختیار میں بھی کچھ کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ ہمارے ادب و لحاظ کے ایسی ہی شایاں و سزاوار ہے۔ جیسی کہ پہلے۔ اور نہ اس وقت ہم اُسے کچھ کم الٰہی الاصل سمجھتے ہیں۔ ہم فقط اس کی حقیقت اور اس پر الٰہی عمل کے طریق کو زیادہ صفائی سے سمجھنے کے طلب گار رہیں ٭

۳

یہ تو سچ ہے۔ کہ جو رائے یہاں ظاہر کی گئی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے بائیبل کے مطالعہ میں زیادہ محنت اور توجّہ کی حاجت پڑے گی۔ ہم اب ہر ایک آیت کو اس طور پر نہیں لے سکتے۔ کہ گویا وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ اور اس مسئلہ کے لئے جس کا اس میں بیان ہے۔ مکمل ثبوت کے طور ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ سیاق و سباق کلام اور نیز لکھنے والے کی زبان اور مکان اور دیگر حالات پر بھی لحاظ کرنے کی ضرورت ہوگی۔ ہمیں نوشتوں کے ایک حصّہ کا دوسرے حصہ کے ساتھ موازنہ کرنا ہوگا۔ ہمیں اس اصول کو مدِّ نظر رکھنا ہوگا۔ کہ عہدِ عتیق کی تعلیم بعض حصوں میں عہد جدید کی تعلیم سے ادنیٰ ہے۔ اور ہمیں اپنے عقیدہ کی بنا بعض فقرات یا آیات پر نہیں رکھنی ہوگی۔ بلکہ زیادہ تر بائیبل کی عام روح و مزاج پر۔ اور ان سب باتوں کے لئے زیادہ غور و فکر۔ زیادہ احتیاط اور

دور اندیشی ۔ زیادہ ادب و لحاظ ۔ زیادہ دُعا اور زیادہ مطالعہ کی ضرورت ہوگی ۔

مگر جو کچھ محنت ہم اس طور سے اُس پر خرچ کریں گے ۔ اس کا سینکڑوں گنا پھل ملے گا ۔ بائیبل جب انسانی روایتوں کی ملاوٹ سے پاک ہو جائے گی ۔ تو وہ زیادہ حقیقی اور طبعی اور الہی معلوم دینے لگے گی ۔ تب ہمارے عقیدے بھی زیادہ مضبوط بنیاد پر مبنی ہوں گے ۔ اخلاقی اور ذہنی مشکلات کا خوف و ہراس جاتا رہے گا ۔ اور اگرچہ اس میں اب بھی ایسی باتیں نظر آئیں گی ۔ جن کے حل کرنے میں حیرانی اور پریشانی دامن گیر ہو ۔ تاہم ہم یہ سیکھ لیں گے کہ ہماری مسیحی زندگی کا مدار اس پر نہیں ہے ۔ کہ ہم سب رازوں اور سب علموں کو معلوم کر لیں ۔ بلکہ اس پر کہ ہم فروتنی اور فرزندانہ اطاعت کے ساتھ اپنے کو رضائے الٰہی کے تابع کر دیں ۔ جو ہر طرح کی عملی ضروریات کے لئے اس میں صاف طور پر منکشف و مبرہن ہے ۔

ہمیں چاہیئے کہ ہمیشہ صدق دل سے مفصلہ ذیل دعا مانگا کریں ۔ اور ہمیشہ خدا سے ہدایت اور راستی کے طلب گار رہیں ۔

اے مبارک خداوند تو نے سب مقدّس کتابیں ہماری تعلیم کے لئے لکھوائیں یہ بخش کہ ہم انہیں اِس طرح سُنیں پڑھیں سوچیں، سیکھیں، اَور دل میں ہضم کریں۔ کہ تیرے پاک کلام سے صبر و تسلّی حاصل کر کے حیاتِ ابدی کی اُس مبارک اُمیّد کو اختیار کریں۔ اور ہمیشہ تھامے رہیں۔ جو تو نے ہمارے منجی یسوعؔ مسیح میں ہمیں دی ہے :

(آمین)